از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

نظامِ نَو کی تعمیر

(فرمودہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۴۲ء برموقع جلسہ سالانہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

زنانہ جلسہ گاہ کے متعلق ہدایت

مجھے ابھی اِس اعلان کے کرتے ہوئے (جو ایک گُمشدہ لڑکے کے متعلق تھا) یہ خیال پیدا ہوا کہ گو اِس دفعہ ڈبل مائکروفون لگا دیا گیا ہے مگر پھر بھی بچوں کے متعلق اعلان کرتے ہوئے یہ شُبہ رہتا ہے کہ اعلان کی آواز زنانہ جلسہ گاہ میں پہنچی ہے یا نہیں۔ میں اِس بارہ میں ایک ترکیب بتا دیتا ہوں جس سے یہ مشکل حل ہوسکتی ہے۔ منتظمین کو چاہیئے کہ آئندہ عورتوں کے جلسہ گاہ میں ایک ہلکا سا جھنڈا لگا دیا کریں تاکہ جب اِس قسم کا کوئی اعلان کیا جائے اور یہ معلوم کرنا ہو کہ اس کی آواز انہیں پہنچی ہے یا نہیں تو وہ سوال کرنے پر اپنے جھنڈے کو اونچا کر دیں اِس طرح ہمیں علم ہو جائے گا کہ آواز اُن تک پہنچ گئی ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ لاؤڈ سپیکر میں کوئی نقص واقع ہو جاتا ہے اور آواز عورتوں تک نہیں پہنچتی اِس بارہ میں بھی منتظمین کو اُن سے بار بار پوچھتے رہنا چاہیئے کہ آلہ خراب تو نہیں ہوگیا؟ اور اگر بعض دفعہ منتظمین نہ پوچھ سکیں تو ایسی صورت میں بھی وہ اپنے جھنڈے کے ذریعہ اطلاع دے سکتی ہیں۔

ایک افسوس ناک واقعہ

اس کے بعد میں ایک افسوس ناک واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کی کل ہی مجھے اطلاع ملی اور جس واقعہ کا ذکر دو دِنوں سے مختلف گروہوں میں ہو رہا تھا وہ واقعہ یہ ہے کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ دارالبرکات کے ناظم صاحب نے کسی مہمان کو مارا ہے۔ رات کو مجھے اس واقعہ کی اطلاع ملی اور میں نے اُسی

وقت میاں بشیر احمد صاحب کو اِس غرض کے لئے مقرر کیا کہ وہ اِس امر کی تحقیق کر کے مجھے رپورٹ کریں۔ ابھی جلسہ گاہ کو آتے وقت مجھے ان کی رپورٹ ملی ہے۔ عام طور پر یہ واقعہ اسی رنگ میں مشہور ہو رہا تھا بلکہ مجھے وثوق کے ساتھ یہ بتایا گیا تھا کہ وہ مہمان کر تو ضلع شیخوپورہ کے ہیں مگر رپورٹ سے معلوم ہؤا کہ یہ بات بالکل غلط ہے وہ جسے مارا گیا ہے قادیان کا ہی ایک لڑکا ہے۔ ابھی میں اِس واقعہ کی تفصیل بھی بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اس لڑکے کا بیان ابھی تک نہیں لیا گیا بہرحال قادیان کا ایک لڑکا تھا جو کسی مہمان کے لئے کھانا لینے آیا یا اپنے گھر والوں کے لئے کھانا لینے آیا کیونکہ بعض کمزور لوگ جلسہ سالانہ کے دنوں میں اس رنگ میں کچھ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اُس نے دوسرے لوگوں کی صفوں کو چِیر کر اپنے آپ کو آگے کرنا چاہا جب بعض نے اُسے روکا اور صبر کی تلقین کی کہ اپنی باری پر کھانا مل جائے گا تو اُس نے گالیاں دیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ گندی گالیاں تھیں۔ اِس پر ناظم صاحب نے اسے چند تھپڑ لگا دیئے تو وہ کہتے ہیں مجھے بحیثیت ناظم ہونے کے اور بحیثیت خدام الاحمدیہ کا زعیم ہونے کے اُس کو تھپڑ مارنے کا حق تھا اور میرے لئے ضروری تھا کہ اُس کے اخلاقی جُرم کی اسے سزا دیتا ان کے نزدیک اِس وجہ سے یہ امر نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ اس امر کے متعلق تو بعد میں غور کیا جائے گا کہ خدام الاحمدیہ کے قواعد اِس قسم کی فوری سزا کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں لیکن اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ناظم اِس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ باہر کے لوگوں کے سامنے قادیان کے لوگوں کا اچھا نمونہ پیش کرے اگر واقعہ میں اس لڑکے نے کوئی فحش گالی دی تھی تو ناظم کی حیثیت سے اُن کا قادیان کے کسی لڑکے کو معمولی سزا دینا جُرم نہیں ہو سکتا پس وہ بات جو لوگوں میں پھیل گئی تھی بالکل غلط ہے۔ بہرحال اصل واقعہ کی تحقیقات تو بعد میں ہو گی اور جو مناسب کارروائی ہو گی کی جائے گی میں اِس وقت اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں باہر کے دوستوں کو بھی احتیاط کرنی چاہئے اور انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ قادیان میں ہمارا نظام خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت زیادہ پختہ ہے۔ یہاں خدام الاحمدیہ جہاں تک حکومت ان کو اجازت دیتی ہے نوجوانوں کی آزادی پر تصرّف کرتے ہیں، جُرم سرزد ہونے پر انہیں سزائیں دیتے ہیں، انہیں معمولی سزا بھی دے لیتے ہیں، پہرے پر مقرر کرتے ہیں، بوجھ اُٹھواتے ہیں اور اسی طرح کی کئی اور اصلاحی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کو یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے اور جب قادیان کے کسی لڑکے کو کسی جُرم پر

افسر کی طرف سے سزا دی جاتی ہے تو وہ خیال کر لیتے ہیں کہ شاید یہ سلوک کسی مہمان سے کیا جا رہا ہے۔ جب بیرونی جماعتوں میں بھی خدام الاحمدیہ منظّم ہو جائیں گے تو باہر بھی ہر حلقہ کے قائد خدام کو اخلاقی جُرم سرزد ہونے پر سزا دے لیں گے اور اُس وقت انہیں قادیان میں اِس قسم کی سزاؤں کا ملنا کوئی عجیب بات نظر نہیں آئے گی۔ اِس وقت انہیں واقعہ میں یہ باتیں عجیب معلوم ہوتی ہیں شروع شروع میں تو لوگ زیادہ شور مچاتے تھے مگر میں دیکھتا ہوں اب خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ سمجھ گئے ہیں چنانچہ بچے اگر غلطی کریں تو بچوں کا نظام خود ہی اس غلطی کی اصلاح کر دیتا ہے اور ان کے ماں باپ شکایت نہیں کرتے۔

کتاب ''مرکز احمدیت''

میں تقریر شروع کرنے سے پہلے بعض کتب کے متعلق بھی اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک کتاب ''مرکز احمدیت'' شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے لکھی ہے میں ابھی اسے پڑھ نہیں سکا۔ صِرف ایک سرسری نظر میں نے اس کے مضامین پر ڈالی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اِس میں بہت سی مفید معلومات قادیان اور سلسلہ کے متعلق جمع کر دی گئی ہیں قیمت بھی میں نے اس کی نہیں دیکھی مگر اِس تنگی کے زمانہ میں انہوں نے اچھے موٹے کاغذ پر خوشخط کتاب چھپوائی ہے جو دوست باہر کی دنیا کو قادیان اور سلسلہ کے حالات سے روشناس کرانا چاہیں اور ان کی یہ بھی خواہش ہو کہ لمبے مضامین نہ ہوں بلکہ ایک مختصر کتاب میں جماعت کے کام اور مرکز کی خصوصیات کا ذکر ہو، تاکہ اسے خرید کر لوگوں کو اس کے مطالعہ کی تحریک کی جائے تو ایسے دوستوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

تحریک جدید کی شائع کردہ کتب

سلسلہ کی کتب جو تحریک جدید کی طرف سے شائع کی گئی ہیں (سوائے تفسیر کبیر کے کہ وہ ختم ہو چکی ہے گو بعض لوگ اپنی طرف سے فروخت کر رہے ہیں) وہ بھی جن دوستوں کو توفیق ہو خریدنی چاہئیں کیونکہ اس رنگ میں بھی وہ سلسلہ اور اسلام کی مدد کر سکتے ہیں۔ تفسیرِ کبیر جِلد سوم کو میں نے مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ اب وہ تحریک کے پاس نہیں۔

تفسیر کبیر کی کم یابی

ہاں مجھے معلوم ہؤا ہے کہ وہی تفسیر کبیر جس کی پانچ اور چھ روپے قیمت رکھنے پر دوست جھگڑا کِیا کرتے تھے اب دس دس، چودہ چودہ، پندرہ پندرہ روپے میں بِک رہی ہے بلکہ بعض لوگ جن کے پاس اِس کتاب کے اب صرف دو چار نسخے باقی رہ گئے ہیں کہتے ہیں کہ اب ہم آئندہ یہ کتاب پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ بلکہ سَو سَو روپیہ

پر فروخت کریں گے اور لینے والے اِس قیمت پر بھی لے لیں گے۔ ابھی میرے پاس بعض دوست آئے تھے انہوں نے تفسیر کبیر کا ذکر کیا میں نے کہا میرے پاس تو نہیں لیکن فلاں شخص کے پاس ہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ دس روپے میں ایک جِلد دیتا ہے کہنے لگے دس روپوں کا کیا ہے ہم دے دیں گے۔ اگر دوست وقت پر کتاب خرید لیتے تو اِس پریشانی سے بچ جاتے مگر اب روپے خرچ کرنے کے باوجود سب کو یہ کتاب نہیں مل سکتی پس آئندہ جِلد کے بارہ میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

خدام الاحمدیہ کی طرف سے شائع کردہ لٹریچر

خدام الاحمدیہ نے بھی اِس دفعہ کچھ لٹریچر خدام کے لئے چھپوایا ہے اور گو وہ خدام کے لئے ہے لیکن بڑی عمر کے لوگوں کے بھی کام آ سکتا ہے دوستوں کو چاہئے کہ اس لٹریچر کو بھی پڑھیں اور اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

رسالہ ''فرقان''

رسالہ ''فرقان'' پیغامیوں کے لئے جاری کیا گیا ہے اور اِس وقت تک اِس کے جتنے پرچے شائع ہوئے ہیں سوائے ایک کے جو اپنے معیار سے کم تھا اچھے اور مفید مضامین پر مشتمل رہے ہیں اِس کی خریداری کی طرف بھی مَیں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں مگر صرف اپنے لئے نہیں بلکہ اِس رنگ میں کہ رسالہ پڑھا اور پھر کسی پیغامی کو دے دیا میری تجویز یہ ہے کہ دو تین سال تک مسلسل پیغامیوں کے مقابلہ میں یہ رسالہ شائع ہوتا رہے۔ اِس کی قیمت پہلے ایک روپیہ تھی مگر اب ڈیڑھ روپیہ کر دی گئی ہے اور یہ قیمت بھی بہت کم ہے آجکل گرانی کا زمانہ ہے جس میں اتنی قلیل قیمت پر کوئی رسالہ نہیں چل سکتا مگر چونکہ اِس کا سب کام آنریری ہوتا ہے ایڈیٹر اور مینیجر وغیرہ آنریری طور پر کام کر رہے ہیں اس لئے جس قدر آمد ہوتی ہے وہ رسالہ پر ہی خرچ کر دی جاتی ہے اگر صاحبِ توفیق دوست اس بارہ میں رسالہ کی مدد کریں تو یقیناً یہ امر ثواب کا موجب ہے اِس ذریعہ سے اگر غیر مبائع دوستوں کا کچھ طبقہ جس میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں سلسلہ کی خدمت کی ہے واپس آ جائے اور پھر بیعت میں شامل ہو جائے تو یہ امر ہمارے لئے بہت بڑی خوشی کا موجب ہوگا۔

تقریر سننے کے متعلق ہدایت

آج جو مضمون میں شروع کرنے لگا ہوں اِس کے متعلق میرا ارادہ تو یہی ہے کہ جلدی ختم کر دوں مگر میری آواز کسی قدر بیٹھی ہوئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ رات کو مجھے شدید زکام ہو کر نزلہ سینہ پر گرتا رہا

اور آواز بیٹھ گئی اس لئے ممکن ہے میری آواز دوستوں تک صحیح طور پر نہ پہنچ سکے گزشتہ تجربہ تو یہی بتاتا ہے کہ تقریر شروع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے آواز صاف ہونی شروع ہو جاتی ہے اور تمام دوستوں کو پوری طرح پہنچ جاتی ہے لیکن پھر بھی چونکہ مجھے رات سے یہ تکلیف ہے اس لئے گو اللہ تعالیٰ سے میں یہی امید کرتا ہوں کہ اس کے فضل سے میں اپنے فرض کو پوری طرح ادا کرسکوں گا تاہم اگر دوستوں کو آواز نہ پہنچے تو ممکن ہے اِس میں آلہ نشر الصوت کا قصور نہ ہو بلکہ میری آواز کا ہی قصور ہو اِس لئے دوستوں کو چاہئے جب انہیں آواز نہ پہنچے تو مجھے بتادیں میں کوشش کروں گا کہ آواز اپنی پوری طاقت سے دوستوں تک پہنچاتا رہوں۔

(الفضل ۲۰ رجنوری ۱۹۴۳ء)

اس کے بعد حضور نے اصل مضمون ''نظامِ نَو'' پر تقریر فرمائی۔ فرمایا:-

مضمون کی اہمیت

میرا آج کا مضمون وہ ہے جس کے متعلق میں ایک گزشتہ خطبہ جمعہ میں (جو الفضل ۱۰ ردسمبر ۱۹۴۲ء میں شائع ہو چکا ہے) وعدہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ میں تحریک جدید کا ایک نیا اور اہم پہلو جماعت کے سامنے اگلے جمعہ کو رکھوں گا مگر جب اگلا جمعہ آیا تو میرا ارادہ بدل گیا اور میں نے اس مضمون کی اہمیت پر غور کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ اسے بجائے کسی خطبہ میں بیان کرنے کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جبکہ تمام دوست جمع ہوں گے بیان کردوں۔ چنانچہ میں نے اُس وقت اِس مضمون کا بیان کرنا ملتوی کردیا اور اپنے اگلے خطبہ میں (جو الفضل ۱۶ ردسمبر ۱۹۴۲ء میں شائع ہو چکا ہے) اعلان کردیا کہ مَیں سرِ دست اس مضمون کو ملتوی کرتا ہوں اور اس کی بجائے بعض اور امور کی طرف جماعت کو توجّہ دلا دیتا ہوں۔ بعد میں میری رائے اِس طرف سے بھی بدلی اور میں نے چاہا کہ اس مضمون کو ابھی اور ملتوی کردوں اور اِس کی بجائے ''سیرِ روحانی'' کے کچھ اور حصّے بیان کردوں مگر منشائے الٰہی چونکہ یہی تھا کہ اس مضمون کا جس قدر جلد ہو سکے دُنیا میں اعلان کردیا جائے اس لئے ایسا اِتفاق ہوگیا کہ میں متواتر بیمار ہوتا چلا گیا اور سیرِ روحانی والے مضمون کے واسطے حوالے نکالنے کے لئے جو وقت چاہئے تھا وہ مجھے نہ ملا۔ آخر میں نے سمجھا کہ ۲۰ رتاریخ سے اس غرض کے لئے وقت نکالنا شروع کردوں گا مگر ان دنوں بہت سا تفسیر کا کام کرنا پڑا۔ یہ امر میں بتاچکا ہوں کہ آجکل میں تفسیر لکھایا کرتا ہوں۔ پس ان دنوں ایک دفعہ مَیں تفسیر لکھاتا اور دوسری دفعہ صاف شُدہ مضمون کو دیکھتا اور اس طرح کافی وقت اس

پر خرچ ہو جاتا۔ پھر آجکل ڈاک بھی میں نے خود ہی پڑھنی شروع کر دی ہے اور یہ کام بھی بہت زیادہ ہوتا ہے (ضمنی طور پر میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پہلے ڈاک میں خود نہیں پڑھا کرتا تھا بلکہ تفسیر کے کام کی وجہ سے دفتر والے خطوط کا خلاصہ میرے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے مگر پچھلے چار پانچ ماہ سے میں خود تمام ڈاک پڑھتا ہوں جن کے جواب ضروری ہوں اُن کے جواب خطوط کے حاشیہ میں نوٹ کر دیا کرتا ہوں اور جن خطوط کے جوابات دفتر والوں کو پہلے سے بتائے جا چکے ہیں اُن خطوط کے وہ خود ہی جواب دے دیا کرتے ہیں۔ بہر حال اَب ڈاک کا کام بھی جاری ہے اور یہ کام بھی بہت بڑا ہوتا ہے) اِس وجہ سے مجھے جلسہ سالانہ کی تقریر کے لئے نوٹ لکھنے اور حوالہ جات نکالنے کی بالکل فُرصت نہ ملی۔ جب ۲۰ رتاریخ آئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب کل صبح سے کام شروع کروں گا۔ کچھ ڈاک بھی باقی تھی، ادھر تحریک جدید والوں نے مجھے کہلا بھیجا کہ دوستوں کے وعدے نہیں پہنچے ڈاک بھجوائی جائے تا کہ ان کے وعدے نوٹ کر لئے جائیں چنانچہ میں وہ ڈاک دیکھنے لگ گیا۔ اِسی دوران میں یکدم مجھے ایسی سردی لگی کہ شدّتِ سردی کی وجہ سے مجھے کپکپی شروع ہوگئی اور دانت بجنے لگ گئے۔ اُس وقت مجھے پیشاب کی حاجت محسوس ہوتی تھی اور میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ لوٹا رکھ دو مگر میری طبیعت اُس وقت ایسی خراب ہوگئی کہ میں کوئی منٹ بھر یہ الفاظ تک اپنی زبان سے نہ نکال سکا۔ اس کے بعد بستر میں مَیں لیٹ گیا اور لحاف کے اندر ربڑ کی دو گرم بوتلیں رکھیں مگر کسی طرح سردی کم ہونے میں نہ آئی۔ جب صبح ہوئی اور میں نے تھرمامیٹر لگا کر دیکھا تو درجہء حرارت ساڑھے ننانوے تھا۔ دن بھر آرام رہا مگر جب عصر کا وقت آیا تو مجھے اپنی طبیعت خراب معلوم ہوئی اُس وقت میں نے پھر تھرمامیٹر لگا کر دیکھا تو معلوم ہوُا کہ تبخیر سی ہے اور 100 یا 100.5 تک حرارت ہے۔ رات کو درجہء حرارت 103 تک بڑھ گیا۔ اس وجہ سے میں اُن نوٹوں کو تیار نہ کر سکا جن کا تیار کرنا سیر روحانی والے مضمون کے لئے ضروری تھا۔ آخر مَیں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت یہی معلوم ہوتی ہے کہ میں اِس مضمون کو جو تحریک جدید کے متعلق ہے ابھی بیان کر دوں چنانچہ میں اس مضمون کے نوٹ لکھنے کے بعد اِسی نتیجہ پر پہنچا کہ وقت آ گیا تھا کہ دُنیا کے سامنے اِس عظیم الشان پیغام کو ظاہر کر دیا جاتا۔

تحریک جدید کی اہمیّت اجتماعی لحاظ سے

وہ مضمون جسے میں بیان کرنا چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ تحریک جدید کی خصوصیات

ضمنی طور پر اور منفردانہ طور پر اَب تک لوگوں کے سامنے بارہا لائی گئی ہیں مگر تحریک جدید کی اہمیت اجتماعی طور پر جماعت کے سامنے نہیں رکھی گئی۔ یا یوں کہہ لو کہ اِس کی حقیقت کو میں خود بھی آہستہ آہستہ سمجھا۔ جب میں نے اِس کے متعلق پہلا خطبہ پڑھا تو اُس میں تحریک جدید کے متعلق جس قدر باتیں میں نے بیان کیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ القاء میرے دل میں ڈالی گئی تھیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا چلا گیا میں ان باتوں کو بیان کرتا چلا گیا۔ پس حق یہ ہے کہ تحریک جدید کی کئی اغراض کو پہلے خود مَیں بھی نہیں سمجھا اور اس کے کئی فوائد اور حکمتیں میری نظر سے اوجھل رہیں۔ اِسی وجہ سے تحریک جدید کی اجتماعی لحاظ سے اہمیت اب تک جماعت کے سامنے نہیں رکھی گئی یا ممکن ہے خدا تعالیٰ کا منشاء یہ ہو کہ جب اس مضمون کی ضرورت ہو تب اِس پر سے پردہ ہٹایا جائے۔ بہر حال اس تحریک کا ایک عالمگیر اثر بھی ہے اور ضروری ہے کہ اِس کو تفصیل سے بیان کیا جائے کیونکہ اب تک اس مضمون کو بیان نہیں کیا گیا۔

خلاصۂ مضمون

میں جس مضمون کو اَب بیان کرنے لگا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تحریک جدید جس کا اِجرا میری طرف سے ہوا یا صحیح لفظوں میں یوں کہہ لو کہ تحریک جدید جس کا اجرا منشائے الٰہی کے ماتحت ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشّان اسلامی مقصد کو پورا کرنے اور انسانیت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا بیج رکھا گیا ہے۔ اب مَیں دوستوں کو توجّہ دلاتا ہوں کہ اِس فقرہ کے بعد جو مضمون آئے گا وہ بظاہر اس سے بے تعلق ہوگا اور بظاہر یہ جملہ کہہ کر میں تحریک جدید کی طرف آتا ہوا نظر نہیں آؤں گا لیکن میں دوستوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ صبر سے کام لیں گے اور توجّہ سے تمام مضمون کو سُنیں گے تو تحریک جدید کا جو ذکر میں نے کیا ہے اِس پر اُنہیں یہ تمام مضمون چسپاں ہوتا دکھائی دے گا۔

تحریک جدید کا ماحول

دُنیا میں جس قدر اشیاء نظر آتی ہیں وہ سب اپنے اپنے ماحول میں اچھی لگتی ہیں۔ ماحول سے اگر کسی چیز کو نکال لیا جائے تو اُس کا سارا حُسن اور اُس کی ساری خوبصورتی ضائع ہو جاتی ہے پس جب تک میں اِس تحریک کا ماحول نہ بیان کرلوں اُس وقت تک اصل حقیقت سے دوست آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اِس ماحول کا بیان کرنا خصوصاً اِس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ ہماری جماعت میں سے اکثر زمیندار ہیں اور وہ عموماً عِلمی باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں اِس لئے ضروری ہے کہ میں پہلے دنیا کی وہ حالت بیان کروں جس نے ہمیں اِس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور کیا اور بتاؤں کہ دُنیا میں اِس وقت کیا کیا

تغیرات ہو رہے ہیں۔ان تغیرات کا مستقبل پر کیا اثر پڑنے والا ہے اور ہماری جماعت اور دوسری مسلمان جماعتوں پر اُن کا کیا اثر ہے اور یہ کہ اگر وہ اثرات بُرے ہیں تو ہمیں اُن سے کس طرح بچنا چاہئے اور اگر اچھے ہیں تو کس حد تک ان کو قبول کرنا مناسب ہے۔

موجودہ زمانہ کے اُمراء اور غرباء کے آپس کے امتیازات اور ان کا نتیجہ

سب سے پہلے تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ دُنیا میں ادنیٰ واعلیٰ، محروم و بانصیب اور حاجتمند اورغنی میں جو امتیاز نظر آرہا ہے اس کی وجہ سے دو تغیر پیدا ہو رہے ہیں۔ایک تغیر تو یہ پیدا ہو رہا ہے کہ یہ امتیاز زیادہ نمایاں ہوتا جارہا ہے اور دوسرا تغیر یہ پیدا ہو رہا ہے کہ اس تغیر کا احساس دُنیا میں بڑھتا جارہا ہے۔ پہلے بھی امیر ہوتے تھے مگر پہلے امیروں اور آجکل کے امیروں میں بہت بڑا فرق ہے۔ پہلے زمانہ کے جو امراء ہوتے تھے اور جن کی اولاد کا اب بھی کچھ بقیّہ پہاڑی علاقوں میں پایا جاتا ہے اُن کی یہ حالت تھی کہ ان کے پاس کثرت سے روپیہ اور غلّہ اور دوسری جِنسیں آتی تھیں اور وہ بھی کثرت کے ساتھ ان اشیاء کو لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ پنجاب کے ایک رئیس ایک دفعہ لاہور میں بیمار ہوئے میں بھی اتفاق سے کسی کام کے لئے لاہور جا نکلا وہاں مجھے معلوم ہوا کہ ایک ایک وقت میں بعض دفعہ ان کے علاقہ سے تین تین چار چار سَو آدمی اُن کی تیمارداری کے لئے آتے ہیں اور آنے والوں میں سے کسی کے پاس دُنبہ ہوتا ہے، کسی کے پاس چاول ہوتے ہیں، کسی کے پاس گُڑ ہوتا ہے، کسی کے پاس کوئی چیز ہوتی ہے محض اِس لئے کہ سردار صاحب بیمار ہیں خالی ہاتھ کس طرح جائیں۔ انہوں نے بھی دس پندرہ باورچی رکھے ہوتے تھے جب جانور وغیرہ آتے تو وہ ان کو ذبح کروا دیتے اور دیگیں پکوا کر لوگوں کو کِھلا دیتے۔اس طرح ان کی بیماری کی وجہ سے اچھا خاصا مجمع دو تین مہینے تک لگا رہا اور برابر وہ ان سینکڑوں لوگوں کو کھانا کِھلاتے رہے۔

گزشتہ زمانہ کے مقابلہ میں موجودہ زمانہ کے اُمراء اور اُن کے ملازمین کی حالت

پس بے شک پہلے زمانہ میں بھی مالدار ہوتے تھے مگر اُن کا مال اِس رنگ میں تقسیم ہوتا تھا کہ لوگوں کو بُرا نہیں لگتا تھا۔ پھر اُس زمانہ میں نوکر کا مفہوم بالکل اور تھا مگر آج کچھ اور ہے۔ اُس زمانہ میں نوکر خاندان کا جُزو سمجھے جاتے تھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض قسم کے امتیازات اُس وقت بھی پائے جاتے تھے مثلاً نوکر سے

شادی کرنا یا اُسے لڑکی دینا پسند نہیں کیا جاتا تھا مگر پھر بھی وہ اِس رنگ میں پاس رہتے تھے کہ مثلاً مالک بھی فرش پر بیٹھا ہؤا ہے اور اُس کا نوکر بھی ساتھ ہی بیٹھا ہؤا ہے یا مالکہ بیٹھی ہے تو اُس کے ساتھ اُس کی لونڈی بھی بیٹھی ہے مگر اب یہ ہوتا ہے کہ مالک تو کرسی پر بیٹھا ہؤا ہوتا ہے اور نوکر ہاتھ باندھے سامنے کھڑا ہوتا ہے وہ چاہے تھک جائے اُس کی مجال نہیں ہوتی کہ آقا کے سامنے بیٹھ جائے۔ اِسی طرح سواریوں کو لے لو پہلے ان میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو ہوجاتا تھا کہ ایک کا گھوڑا زیادہ قیمت کا ہوگیا اور دوسرے کا کم قیمت کا مگر آجکل تھرڈ کے مقابلہ میں فسٹ اور سیکنڈ کلاس کا جو فرق ہے وہ بہت زیادہ نمایاں ہے۔ اسی طرح مکانوں کی ساخت میں اتنا فرق پیدا ہوگیا ہے کہ غرباء کے مکانوں اور اُمراء کے مکانوں میں زمین وآسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ فرنیچر کی اتنی قسمیں نکل آئی ہیں کہ کوئی غریب ان کو خرید ہی نہیں سکتا۔ جب تک اُمراء قالین بچھاتے رہے غرباء اس کے مقابلہ میں کوئی سستا سا قالین یا کپڑا ہی بچھا لیتے مگر اب فرنیچر کی اتنی قسمیں ہوگئی ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ فرنیچر بھی غریب آدمی خرید نہیں سکتا۔ پہلے تو امیر لوگوں نے اگر قالین بنائے تو کشمیریوں نے گبّھا[۱] بنالیا۔ مگر اب کوچ اور کُرسیوں اور میزوں وغیرہ میں اُمراء کی نقل کرنا غرباء کی طاقتِ برداشت سے بالکل باہر ہے۔ غرض بڑوں اور چھوٹوں میں یہ امتیاز اِس قدر ترقی کر گیا ہے کہ اب یہ امتیاز آنکھوں میں چُبھنے لگ گیا ہے۔

غربت وامارت کے متعلق پُرانے نظریہ کے مقابلہ پر نیا نقطۂ نگاہ اور اس کا نتیجہ

پھر ایک یہ بھی فرق ہے کہ اب احساسات بھی تیز ہوگئے ہیں۔ پہلے زمانہ میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سب دولت اللہ میاں کی ہے۔ اگر کوئی بُھوکا ہے تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بُھوکا رکھا اور اگر کسی کو روٹی ملتی ہے تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو روٹی دیتا ہے۔ مگر اب تعلیم اور فلسفہ کے عام ہوجانے کی وجہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر غریب بُھوکے ہیں تو اس لئے نہیں کہ اللہ نے انہیں بُھوکا رکھا ہؤا ہے بلکہ اس لئے کہ اُمراء نے ان کی دولت لُوٹ لی ہے اور اگر امیر آرام میں ہیں تو اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو آرام میں رکھا ہؤا ہے بلکہ اس لئے کہ انہوں نے غریبوں کو لُوٹ لیا ہے۔ پس آج نقطۂ نگاہ بدل گیا ہے اور اس نقطۂ نگاہ کے بدلنے کی وجہ سے طبائع میں احساس اور اس کے نتیجہ میں اشتعال بہت بڑھ گیا ہے۔ پہلا شخص صبر سے کام لیتا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ سے اُسے محبت ہوتی تھی تو جب اُسے فاقہ آتا تب بھی

سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتا اور جب پلاؤ کھاتا تب بھی سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتا کیونکہ وہ سمجھتا تھا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی شخص بے ایمان ہوتا تب بھی خیال کرتا تھا کہ میں خدا تک تو نہیں پہنچ سکتا خاموش ہی رہوں مگر اب وہ سارا الزام جو پہلے خدا کو دیا جاتا تھا بندوں کو دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ امیر اور طاقتور لوگ یہ چاہتے ہیں کہ غریبوں کو ماریں پیٹیں اور اُن کا گلا گھونٹیں۔ پس نقطہ ءنگاہ کے بدلنے سے احساس بہت زیادہ تیز ہوگئے ہیں۔

مشینری کی ایجاد سے امارت وغربت کے امتیاز میں زیادتی

یوں تو یہ امتیاز ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور شاید اگر اس کا سلسلہ چلایا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے قریب زمانہ تک پہنچ جائے مگر بظاہر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جُوں جُوں تمدّن ترقی کرے گا یہ امتیاز مٹتا چلا جائے گا چنانچہ اوّل اوّل جب مشینیں نکلی تھیں تو لوگوں نے بڑی بڑی بغاوتیں کی تھیں۔ اُمراء کہتے تھے اِس طرح غرباء کی حالت سُدھر جائے گی اور زیادہ لوگوں کو کام ملنے لگ جائے گا اور غرباء کہتے تھے ایک مشین دس مزدوروں کا کام کرے گی تو مزدور بیکار ہو جائیں گے۔ اب واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ خواہ زیادہ لوگوں کو کام ملا ہو یا نہ ملا ہو مگر مشینری کی ایجاد نے غریب اور امیر میں امتیاز کو بہت بڑھا دیا ہے۔

غرباء کی حالت کو سُدھارنے کی کوششیں اور اُن میں ناکامی کی وجہ

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بعض اصلاحیں بھی ہوئیں کوئی نیک دل فلسفی اُٹھا اور اُس نے غرباء کی بہتری کے لئے کوئی تدبیر پیدا کر دی، کوئی نیک بادشاہ اُٹھا، یا کوئی نیک دل تاجر کھڑا ہؤا اور اُس نے حکومت کے کسی شعبہ میں یا کارخانوں میں اصلاح کر دی مگر دُنیا کی اصلاح جس پر تمام لوگوں کے امن کا دارومدار تھا بہ حیثیتِ مجموعی نہ ہوئی اور عوام کی تکلیفیں بدستور قائم رہیں۔

چنانچہ اب بھی اکثر یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ ایک شخص کے سامنے سے کیکوں کے ٹکڑے اُٹھا کر کتّوں کے آگے ڈالے جاتے ہیں اور دوسرے شخص کے بچے سُوکھی روٹی کے لئے بِلکتے ہوئے سو جاتے ہیں۔ یہ مبالغہ نہیں ہر روز دُنیا میں کئی ہزار بلکہ کئی لاکھ ماں باپ ایسے ہیں جو اپنے بچّوں کو بُھوکا سُلاتے ہیں اُمراء اگر چاہیں بھی تو پھر بھی وہ اُن کی مدد نہیں کر سکتے۔ آخر ایک امیر کو کیا پتہ کہ ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں فلاں جھونپڑی کے اندر ایک غریب عورت کا بچّہ بھوک سے تڑپ

تڑپ کر مر رہا ہے۔ دِلّی یا لاہور کے اُمراء کو کیا عِلم کہ دُنیا کے دُور اُفتادہ علاقوں میں غرباء پر کیا گذر رہی ہے اور وہ کیسے کیسے مشکلات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ اوّل تو اُن کے دلوں میں غرباء کی مدد کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی اور اگر خواہش پیدا ہو تو اُن کے پاس ایسے سامان نہیں ہیں جن سے کام لے کر وہ تمام دُنیا کے غرباء کی تکالیف کو دُور کر سکیں۔ انہیں کیا پتہ کہ غرباء کہاں کہاں ہیں اور ان کی کیا کیا ضرورتیں ہیں۔

اُمراء کے مقابلہ پر غرباء کی ناقابلِ برداشت حالت

امیر لوگ بیمار ہوتے ہیں تو بعض دفعہ ڈاکٹر انہیں پچاس پچاس روپیہ کی پیٹنٹ دوائیں بتا کر چلا جاتا ہے مگر اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ بازار سے چھ سات شیشیاں منگا کر اُن میں سے کسی ایک کو کھولتے ہیں اور ذرا سا چکھ کر کہتے ہیں یہ دوائیں ٹھیک نہیں کوئی اور ڈاکٹر بلاؤ۔ چنانچہ ایک اَور ڈاکٹر آتا اور وہ بھی تیس چالیس روپیہ کی کوئی اَور پیٹنٹ دوائیں لکھ کر چلا جاتا ہے۔ غرض معمولی معمولی زکاموں اور نزلوں پر وہ دو دو، چار چار سَو روپیہ کی دوائیں خرچ کر دیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک غریب عورت کے بچّے کو نمونیا ہو جاتا ہے اور طبیب اسے مکو کا عرق یا لسوڑیوں کا جوشاندہ بتاتا ہے اور وہ لسوڑیوں کا جوشاندہ تیار کرنے کے لئے سارے محلّہ میں دھیلا مانگنے کے لئے پھرتی ہے اور کوئی شخص اسے دھیلا تک نہیں دیتا۔ آخر ماں کی مامتا تو ایک غریب عورت کے دل میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسے امیر عورت کے دل میں مگر وہاں یہ حالت ہوتی ہے کہ بچّہ اگر چھینک بھی لے تو ڈاکٹر پر ڈاکٹر آنا شروع ہو جاتا ہے، دوائیاں شروع ہو جاتی ہیں، کھلائیوں کو ڈانٹا جاتا ہے کہ تم نے بچّے کو ہَوا لگا دی مگر ایک ویسی ہی ماں دَرْ دَرْ دھکّے کھاتی ہے اور اسے ایک دھیلا تک میسّر نہیں آتا اور اُس کا بچّہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔ تم اپنے اِردگرد کے گھروں پر نگاہ دَوڑاؤ، تم اپنے محلّوں میں پوچھو تمہیں ایسی سینکڑوں نہیں ہزاروں مثالیں مل جائیں گی۔ یہ غربت بعض دفعہ اِس حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے کہ بالکل ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔

غرباء کی دردناک حالت اور اِس کا بھیانک منظر

میرے پاس ایک دفعہ ایک غریب عورت آئی اور اس نے اپنا مدّعا بیان کرنے سے قبل بڑی لمبی تمہید بیان کی اور بڑی لجاجت کی اور بار بار کہا کہ میں آپکے پاس بڑی آس اور امید لے کر آئی ہوں۔ مَیں اُسے جتنا کہوں کہ مائی کام بیان

کرو ہو سکا تو مَیں کر دوں گا اُتنی ہی وہ لجاجت اور خوشامد کرتی چلی جاتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ شاید اس کی کسی لڑکی یا لڑکے کی شادی ہوگی اور اس کے لئے اُسے تیس چالیس روپوؤں کی ضرورت ہوگی مگر جب مَیں نے بہت ہی اصرار کیا اور کہا کہ آخر بتاؤ تو سہی تمہیں ضرورت کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگی مجھے فلاں ضرورت کے لئے آٹھ آنے چاہئیں۔ مَیں آج تک اِس کا اثر نہیں بُھولا کہ کس قدر اُس نے لمبی تمہید بیان کی تھی، کس قدر لجاجت اور خوشامد کی تھی اور پھر سوال کتنا حقیر تھا کہ مجھے آٹھ آنے دے دیئے جائیں۔ یہ بات بتاتی ہے کہ اس کے نزدیک دو باتوں میں سے ایک بات بالکل یقینی تھی۔ یا تو وہ یہ سمجھتی تھی کہ کوئی شخص جس کی جیب میں پیسے ہوں وہ کسی غریب کے لئے آٹھ آنے دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتا اور یا پھر کنگال ہونے کی وجہ سے وہ سمجھتی تھی کہ دُنیا میں ایسا خوش قسمت انسان کوئی شاذو نادر ہی مِل سکتا ہے جس کے پاس آٹھ آنے کے پیسے ہوں۔ اِن دونوں میں سے کوئی سا نظریہ لے لو کیسا خطرناک اور بھیانک ہے۔ اگر اُس کے دل میں یہ احساس تھا اور یہی احساس اَور غرباء کے دل میں بھی ہو کہ ہمیں خواہ کیسی شدید ضرورتیں پیش آئیں کوئی شخص ہمارے لئے آٹھ آنے تک خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تو اُن کے دلوں میں اُمراء کا جتنا بھی کینہ اور بُغض پیدا ہو کم ہے۔ اور اگر غرباء کی حالت اِس قدر گر چکی ہو کہ وہ اپنے سامنے دوسروں کو اچھا کھانا کھاتے اور اچھے کپڑے پہنتے ہوئے پھر یہ خیال کریں کہ اب کسی کے پاس آٹھ آنے بھی نہیں ہیں اور اگر کسی کے پاس آٹھ آنے ہیں تو وہ بہت بڑا خوش قسمت انسان ہے تو یہ دُنیا کے تنزّل کے متعلق کیسا خطرناک نظریہ ہے۔

غریبوں کی بہبودی کیلئے مختلف تحریکات کا آغاز

ڈیما کریسی

یہ حالت بہت دیر سے چلی آ رہی ہے اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے لوگوں نے اس کی اصلاح کی کوشش بھی کی ہے مگر اب تک کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ اٹھارھویں صدی کے آخر سے اس کے متعلق عِلمی طور پر زیادہ چرچا شروع ہو گیا اور اس احساسِ بیداری نے جو شکل پہلے اختیار کی دُنیا نے اس کا نام ڈیما کریسی (DEMOCRACY) رکھا۔ یعنی فیصلہ کیا کہ یہ غربت افراد نہیں مٹا سکتے بلکہ حکومت ہی مٹا سکتی ہے۔ جیسے میں نے ابھی کہا ہے کہ لاہور یا دہلی میں بیٹھے ہوئے ایک فرد کو کیا علم ہو سکتا ہے کہ

ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں کسی غریب عورت کا بچّہ بھُوک سے مَر رہا ہے، یا شہروں میں رہنے والوں کو کیا علم ہوسکتا ہے کہ گاؤں میں غرباء پر کیا مشکلات آرہی ہیں لیکن حکومت اِن تمام باتوں کا بآسانی علم رکھ سکتی ہے۔ پس انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام حکومت کو اپنے ذمّہ لینا چاہئے لیکن حکومت میں بادشاہ اور وزراء کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بھی دخل ہونا ضروری ہے تا کہ سب کی آواز مرکز میں پہنچ سکے اور مرکز کو ان کے ذریعہ تمام حالات کا علم حاصل ہوتا رہے اس کے مطابق پہلے چھوٹے چھوٹے تغیرات کئے گئے۔ مثلاً کہا گیا کہ بادشاہ کو گھر بیٹھے کیا پتہ ہوسکتا ہے کہ شاہ پور کے زمینداروں کی کیا ضروریات ہیں ہاں شاہ پور کے زمیندار اپنی ضرورتوں کو خوب جانتے ہیں۔ یا بادشاہ کو گھر بیٹھے جھنگ کے لوگوں کی مشکلات کا علم نہیں ہوسکتا مگر جھنگ کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہیں کیا کیا مشکلات درپیش ہیں پس حکومت کے مرکز تک لوگوں کی آواز پہنچانے کا کوئی انتظام ہونا چاہئے۔

ڈیما کریسی کے ماتحت پہلا تغیر

پس پہلا تغیر ڈیما کریسی کے ماتحت اِس رنگ میں ہوُا کہ جمہور نے مطالبہ کیا کہ حکومت میں ہمارا بھی حق ہے تا کہ ہم اپنے اپنے علاقوں کی ضروریات بتاسکیں اور ان کے متعلق حکومت کو مفید مشورہ دے سکیں۔ کچھ عرصہ تک یہ طریق رائج رہا اور اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اس طریقِ عمل سے فائدہ ہوُا۔ آخر بادشاہ سب کے حالات معلوم نہیں کرسکتا تھا اِس طریق کے مطابق لوگوں کے نمائندے آتے، حالات بتاتے، حکومت کو مشورہ دیتے اور مطمئن ہوکر واپس چلے جاتے۔

ڈیما کریسی کے ذریعہ حقوق کا تحفظ اور اس کیلئے تاجروں اور پیشہ وروں کی جدّ وجہد

ابتدا میں یہ نمائندے زیادہ تر زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اِس لئے وہ زمینداروں کے حقوق کے متعلق ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے زمیندار آتے اور بڑے بڑے لوگوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنی قوم کو زیادہ فائدہ پہنچاتے۔ اِس پر ایک نئی تحریک شروع ہوئی جو تاجروں اور پیشہ وروں کی تھی اور اِس تحریک کے بانیوں نے اپنا کام تاجروں اور حرفہ والوں کے حقوق کی نگہداشت قرار دیا۔ چنانچہ اِس تحریک کے نتیجہ میں جو لبرل ازم (LIBERALISM) کہلاتی ہے تاجروں

اور پیشہ وروں کو بھی زمینداروں کی طرح حُریّت حاصل ہوگئی اور حکومت میں ایسے تغیرات پیدا کئے گئے جن کے نتیجہ میں تاجروں کی تکالیف دُور ہوگئیں اور پیشہ وروں کو ملک میں اور زیادہ آسانیاں حاصل ہوگئیں۔

سوشلزم

یہ صورتِ حالات کچھ دیر تک قائم رہنے کے بعد ایک اور طبقہ کی نگاہیں اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے اُٹھیں اور اُس نے بھی اِس غرض کے لئے جدّ وجہد شروع کر دی۔ یہ طبقہ مزدوروں اور ملازم پیشہ لوگوں کا تھا جو کارخانوں اور دفتروں میں کام کرتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ زمینداروں کو بھی ان کے حق مل گئے، صنّاعوں کو بھی ان کے حق مل گئے اور تاجروں کو بھی انکے حق مِل گئے تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے دُکھ کو تم محسوس نہیں کرتے اِس لئے اب ہم بھی اپنے نمائندے حکومت میں بھیجیں گے چنانچہ کسی جگہ باقاعدہ اِنتخاب کے ذریعہ اور کسی جگہ لڑ جھگڑ کر مزدوروں کے نمائندے بھی کھڑے ہونے شروع ہوگئے۔ آجکل سوشلزم کا بڑا زور ہے اور یہ دراصل اسی تحریک کا نام ہے جس میں مزدوروں کو مالداروں کے مقابلہ میں زیادہ حقوق دلائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ عام پبلک کے حقوق کی حفاظت کے لئے گورنمنٹ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے اور سمجھتے ہیں کہ اِس طرح مزدوروں کی حق رسی ہو جائے گی۔

اِنٹرنیشنل سوشلزم

پھر اِس سے بھی ترقی کرکے لوگوں نے کہا کہ بے شک یہ سب تحریکیں فائدہ مند ہیں مگر آخر ان کا اثر بعض خاص ممالک تک محدود ہے اور یہ کوئی کامل خوشی کی بات نہیں ہوسکتی۔ اگر انگلستان کے لوگوں کی ہم نے اِصلاح کر لی مگر فرانس کے لوگ پھر بھی بُھوکے مرتے رہے تو ہمارے لئے کیا خوشی ہوسکتی ہے اِس لئے مختلف ملکوں کے غرباء اور مزدوروں کو باہمی تعاون کا اقرار کرنا چاہئے۔ بظاہر تو یہ کہا جاتا تھا کہ ہم اِصلاح کے دائرہ کو وسیع کرتے ہیں مگر اصل بات یہ تھی کہ جب اِس تحریک کے نتیجہ میں ایک ملک کے اُمراء کو نقصان پہنچا تو دوسرے ملک کے اُمراء اِس وجہ سے کہ یہ تحریک ہمارے ملک میں نہ آجائے روپیہ سے اِس تحریک کے مخالفوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے مقابل پر مزدوروں نے بھی فیصلہ کیا کہ مختلف ملکوں کے غرباء کو آپس میں تعاون کا اقرار کرنا چاہئے جب تک ایسا نہیں ہوگا کامیابی مشکل ہے۔ اس طرح سوشلزم کے بعد انٹرنیشنل سوشلزم کا آغاز ہؤا۔ یعنی مزدور اپنی اپنی جگہ کی ہی خبر نہ رکھیں بلکہ دوسری جگہوں کی بھی خبر رکھیں۔

غرباء کی حالت سُدھارنے کے متعلق کارل مارکس کے تین نظریے

اس کے بعد ایک شخص کارل مارکس[۲] پیدا ہؤا۔ یہ جرمن یہودی النسل تھا مگر مذہباً عیسائی تھا اس نے اس مسئلہ پر غور کیا اور غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ جو سوشلزم کہہ رہی ہے کہ آہستہ آہستہ اصلاح کی جائے اور امیروں پر دباؤ ڈال کر ان سے مزدوروں اور غرباء کے حق حاصل کئے جائیں اِس طرح تو پچّاس سَو بلکہ ہزار سال میں بھی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اصل خرابی یہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت ہے وہ اپنی اصلاح نہیں کرتے پس اس کی اصلاح کا آسان طریق یہ ہے کہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی جائے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے یہ کیا طریق ہے کہ اگر حکومت کسی جگہ نہر نہیں نکالتی تو نہر کے لئے اس سے سَو سال تک جنگ جاری رکھی جائے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو اور نہر نکال لو۔ یا یہ کیا کہ فلاں کارخانہ میں چونکہ اصلاح نہیں اس لئے حکومت پر اس کے متعلق زور دیا جائے اور برسوں اس پر ضائع کئے جائیں سیدھی بات یہ ہے کہ حکومت ہاتھ میں لو اور تمام مفاسد کا علاج کرلو۔ پس مارکس نے یہ اصول رکھا کہ سیاسیات میں پڑے بغیر ہم تمدّنی اصلاح نہیں کرسکتے۔ جب تک سیاست ہاتھ میں نہ آجائے اور جب تک حکومت کے اختیارات قبضہ میں نہ آجائیں اس وقت تک کوئی سیاسی یا تمدّنی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

مارکسزم اور اس کا پہلا اُصول

پس مارکسزم جو انٹرنیشنل سوشلزم کی ایک شاخ ہے جبر کے ساتھ اپنے مقاصد حاصل کرنے کی مؤیّد ہے اور اقتصادی تغیرات سے آزادی حاصل کرنے کی بجائے سیاسی تغیرات سے آزادی حاصل کرنے کی حامی ہے۔ پھر اسی نظریہ کے ساتھ مارکسزم یہ بات بھی پیش کرتی ہے کہ سوشلزم والے اِس لئے کامیاب نہیں ہوسکے کہ انہوں نے امیروں سے مِل کر کام کرنا شروع کردیا حالانکہ امیروں کا قبضہ اتنا پُرانا ہوچکا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے غرباء کو کوئی حق حاصل ہی نہیں ہوسکتا۔

مارکس کے نزدیک ڈیما کریسی کا اصول بالکل غلط ہے اور امیروں اور غریبوں کا میل جول بھی غلط ہے۔ اس کے نزدیک امیروں کو ایسا ہی سمجھنا چاہئے کہ گویا وہ انسان نہیں اور جو اختیار غرباء کو ملیں وہ انہیں اپنے قبضہ میں لے لیں۔

مارکسزم کا دوسرا اُصول

دوسرا نظریہ اس نے یہ پیش کیا کہ ہمیں اِس غرض کے لئے جبر کرنا چاہئے۔ جتھا بناؤ، حملہ کرو اور حکومت پر قبضہ کرلو۔ یہی کارل مارکس

کا نظریہ تھا جس سے بالشوزم پیدا ہؤا۔

مارکسزم کا تیسرا اُصول

مارکس نے ایک یہ رائے بھی دی کہ مالدار زمیندار اور صنّاع اتنی طاقت پکڑ چکے ہیں اور مزدور اتنے بے بس ہو چکے ہیں کہ موجودہ حکومت کے توڑنے پر بھی وہ زیادہ دیر تک اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ لطیفہ مشہور ہے کہ کسی کا کوئی سائیس[۱۲] تھا جسے آٹھ دس روپے ماہوار ملا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اسے سمجھایا کہ آجکل ہر شخص کو چالیس پچّاس روپے ملتے ہیں اور تُو آٹھ دس روپوؤں پر گذارہ کر رہا ہے اپنے آقا سے کہتا کیوں نہیں کہ میری تنخواہ زیادہ کرو۔ وہ کہنے لگا میں کس طرح کہوں؟ اُس نے کہا تُو کوئی غلام ہے اگر وہ تیری تنخواہ بڑھائے تو بہتر نہیں تو کسی اَور جگہ ملازمت کر لینا۔ آخر بہت کچھ سمجھانے پر وہ تیار ہو گیا اور اس نے دل میں عہد کر لیا کہ آج جب آقا آیا تو اُسے صاف صاف کہہ دوں کہ یا تو میری تنخواہ بڑھائی جائے ورنہ میں نوکری چھوڑتا ہوں۔ اُس کا آقا اُس وقت سواری پر کہیں باہر گیا ہؤا تھا جب واپس آیا تو سائیس اُس کے سامنے جا کھڑا ہؤا اور کہنے لگا صاحب! ایک بات سُن لیجئے۔ اُس نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا سب کو تنخواہیں زیادہ ملتی ہیں اور میری تنخواہ بہت کم ہے پس یا تو میری تنخواہ بڑھائیں ورنہ۔ جب اُس نے کہا ''یا تو میری تنخواہ بڑھائیں ورنہ''۔ تو اُسکے آقا نے کوڑا اُٹھا کر اُسے مارا اور کہا۔ ورنہ کیا؟ کہنے لگا۔ ورنہ آٹھ پر ہی صبر کریں گے اَور کیا کریں گے۔ گویا یکدم اُس کو ساری باتیں بُھول گئیں۔ یعنی یا تو وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ''ورنہ میں نوکری چھوڑ دوں گا''۔ اور یا ایک کوڑا پڑتے ہی یہ کہنے لگا ورنہ پھر آٹھ پر ہی صبر کریں گے اَور کیا کریں گے۔

لمبے عرصہ کی غلامی کا نتیجہ

تو ایک لمبے عرصہ کی غلامی کے بعد انسان کی فطرت بالکل بدل جاتی ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے چُوہڑوں اور چماروں کو کتنا ہی اُٹھانے کی کوشش کرو اور کتنی ہی دیر اُن سے باتیں کرتے رہو آخر میں وہ یُوں مُسکرا کر کہ جیسے ہمارا دماغ پِھر گیا ہے کہیں گے کہ ربّ نے جس طرح بنایا ہے اس میں اب کیا تغیر ہو سکتا ہے۔ گویا اُن کے نزدیک جس قدر مصلح اور ریفارمر ہیں سب کے دماغ خراب ہیں۔ یہی کارل مارکس نے کہا کہ ان لوگوں کی حالت بدلنے والی نہیں۔ اگر عوام کو اختیار دے دیئے گئے تو وہ پھر ڈر کر ہتھیار رکھ دیں گے اِس لئے شروع میں مزدوروں کے زبردست ہمدردوں میں سے کسی کو ڈکٹیٹر شِپ دینا ضروری ہے۔ وہ جب عوام کو منظّم کر لے، مزدوروں

کے اندر بیداری پیدا کر دے، اُن کے مختلف طبقات کے امتیازات کو مٹا دے اور اگلی نسل میں ایسی طاقت پیدا کر دے کہ وہ امیروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرسکیں تو اُس وقت حکومت کُلّی طور پر جمہور کے سپرد کر دینی چاہئے مگر اس سے پہلے نہیں ورنہ حکومت جاتی رہے گی۔

غرباء کی بہبودی کے لئے لینن اور اُس کے ساتھیوں کی کوشش

مارکس تو خیر مرگیا۔ اس کے بعد جب مظالم انتہاء کو پہنچے تو ایک پارٹی ایسی کھڑی ہوگئی جس نے مارکس کی تعلیم کے مطابق لوگوں کو منظّم کرنا شروع کر دیا۔ انہی مختلف لوگوں میں سے جو مارکس کی تعلیم کے مطابق منظّم ہوئے ایک لینن[۴] ہے جو روس کا پہلا عامی ڈکٹیٹر تھا۔ لینن اور اُس کے ساتھیوں نے مارکس کے خیالات کو زیادہ معیّن جامہ پہنایا۔ کچھ عرصہ تک تو یہ سب مِل کر کام کرتے رہے اور غریبوں کو اُبھارتے رہے کہ تم ننگے پھرتے ہو، بُھوکے رہتے ہو مگر اِسی ملک کے امیر ہیں جو عیش و آرام میں اپنی زندگی کے دِن بسر کررہے ہیں۔ کبھی کہتے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ہی کارخانہ میں ایک مزدور صُبح سے شام تک کام کرتا ہے اور شام کو اسے اتنی قلیل مزدوری ملتی ہے کہ جس سے بمشکل وہ اپنا اور اپنے بیوی بچّوں کا پیٹ بھرتا ہے مگر دوسری طرف اسی کارخانہ کے مالک کے بچّے قیمتی سے قیمتی کوٹ پہنے پھرتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے کھاتے ہیں۔ اِس طرح انہوں نے تمام ملک میں جوش پیدا کر دیا اور اُمراء کے خلاف کئی پارٹیاں بن گئیں۔

بالشویک و منشویک پارٹیوں کا آغاز

جب اُن کا اقتدار بڑھ گیا اور انہوں نے سمجھا کہ اب ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ جلد ہی ہم کو حکومت مل جائے گی تو انہوں نے ایک میٹنگ کی اور اس کی غرض یہ قرار دی کہ ہم اپنے لئے ایک معیّن راستہ قائم کرلیں کہ ہم نے حکومت ملنے پر کس طرح کام کرنا ہے۔ اس میٹنگ کے دوران میں آپس میں اختلاف پیدا ہوگیا اور مارٹوو جو لینن کی طرح پارٹی میں مقتدر تھا اس کا لینن سے اختلاف ہوگیا۔ چنانچہ دو پارٹیاں بن گئیں جن میں سے ایک بالشویک کہلائی اور دوسری منشویک۔ بالشویک نام اس لئے رکھا گیا کہ بالشویک کے معنے کثرت کے ہیں چونکہ لینن کے ساتھ آدمیوں کی کثرت تھی اس لئے اس کی پارٹی بالشویک کہلائی اور منشویک کے معنے کم کے ہیں چونکہ اس کے مخالف کم تھے اس لئے مارٹوو کی پارٹی منشویک کہلائی۔

نظامِ حکومت کے متعلق لینن اور مارٹوو کے نظریوں میں اختلاف

پہلا اختلاف

لینن زیادہ تر مارکس کا متبع تھا اس نے یہ اصول مقرر کیا ہوا تھا کہ ہمیں ہر دوسری پارٹی سے علیحدہ رہنا چاہئے اس کے بغیر ہم اپنے مقاصد کو صحیح طور پر نہیں پاسکیں گے لیکن مارٹوو کا یہ خیال تھا کہ طاقت حاصل کرنے سے پہلے ہمیں دوسرے مقتدر عناصر سے جو کہ فعّال ہیں تعاون رکھنا چاہئے غرض لینن کی تھیوری یہ تھی کہ ہم دوسروں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہم جو کچھ لائیں گے اپنے زور سے لائیں گے کسی کے زیرِ احسان ہو کر نہیں لائیں گے دوسرے الفاظ میں لینن کی پالیسی یہ تھی کہ ہم دوسروں سے نہیں ملیں گے ہمارے پاس سچائی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم بالآخر جیت جائیں گے۔

دوسرا اختلاف

پھر لینن کا یہ خیال تھا کہ شروع میں ڈکٹیٹر شپ کے بغیر گذارہ نہیں چل سکتا لیکن مارٹوو کا یہ خیال تھا کہ شروع سے ہی جمہوری حکومت قائم ہونی چاہئے۔ مارٹوو سمجھتا تھا کہ اگر لیڈر بنا تو لینن ہی بنے گا میں نے نہیں بننا اس لئے وہ شروع سے ہی جمہوری حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔

مارٹوو کا خیال کہ سزائے موت بالکل ہٹا دی جائے

پھر مارٹوو نئی گورنمنٹ میں سوشلسٹ اصول کے ماتحت چاہتا تھا کہ سزائے موت کو بالکل ہٹا دیا جائے لیکن لینن نے اس بات پر زور دیا کہ میں مانتا ہوں کہ پھانسی کی سزا نہیں ہونی چاہئے لیکن اس وقت اگر یہ بات قانون میں داخل کر دی گئی تو زار کو پھانسی پر لٹکایا نہیں جا سکے گا اور لینن کا خیال تھا کہ زار اگر معطّل ہو کر بھی زندہ رہے تو حکومت نہیں چل سکتی اس لئے لینن نے کہا کہ خواہ صرف زار کی جان لینے کے لئے موت کی سزا کی ضرورت ہو تب بھی یہ قائم رہنی چاہئے۔ گویا زار کی دشمنی اُس کے دل میں اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اُس نے کہا اگر خالی زار کو پھانسی کے تختہ پر لٹکانے کے لئے اِس قانون کی ضرورت ہو تب بھی یہ قانون ضرور قائم رہنا چاہئے۔ ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہؤا کہ لینن کو زیادہ ووٹ ملے اور اس کے ساتھیوں کو پارٹی کی راہنمائی کا حق دیا گیا اور اپنی کثرت کی وجہ سے وہ بالشویک کہلائے اور ان کے مخالف اپنی قلت کی وجہ سے منشویک کہلائے۔ زار کے

ہٹنے پر پہلے منشویک حکومت پر قابض ہوئے کیونکہ ملک کی دوسری پارٹیاں ان کی حکومت کو اپنے لئے زیادہ آرام دِہ سمجھتی تھیں پھر بالشویک نے ان کو دبا کر اپنی حکومت قائم کر لی۔

بالشوزم کے چھ اقتصادی اصول اور اُن کے نتائج

اب مَیں بتاتا ہوں کہ بالشویک کے اقتصادی اصول کیا ہیں؟ یاد رکھنا چاہئے کہ ان اقتصادی اصول کو وضع کرنے کا سب سے بڑا محرّک یہی تھا کہ کسی طرح غریب اور امیر کا فرق جاتا رہے۔ جس طرح بیمار ہونے پر ایک امیر کو دوا ملتی ہے اسی طرح غریب کو دوا ملے، جس طرح امیر کو کپڑا میسّر آتا ہے اسی طرح غریب کو پہننے کے لئے کپڑا میسّر آئے، جس طرح امیر پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے اسی طرح ہر غریب پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور کوئی شخص بھوکا نہ رہے۔ اسی طرح ظلم کم ہوں اور اقتصادی لحاظ سے غرباء کو جو دِقّتیں پیش آتی رہتی ہیں ان سب کا سدِّ باب ہو اِس غرض کے لئے بالشوزم نے جو اقتصادی اصول مقرر کئے وہ مارکس کے اصول کے مطابق یوں ہیں:-

پہلا اصول اول جتنی کسی کی طاقت ہو اُس سے اُتنا ہی وصول کیا جائے۔ فرض کرو ایک شخص کے پاس دس ایکڑ زمین ہے اور دوسرے کے پاس سَو ایکڑ زمین ہے تو وہ یہ نہیں کریں گے کہ دس ایکڑ والے سے چند روپے لے لیں اور سَو ایکڑ والے سے بھی چند روپے لے لیں بلکہ وہ دیکھیں گے کہ دس ایکڑ والے کی ضروریات کس قدر ہیں اور سَو ایکڑ والے کی ضروریات کس قدر اور پھر جس قدر زائد روپیہ ہوگا اُس پر حکومت قبضہ کر لے گی مثلاً وہ دیکھیں گے کہ دس ایکڑ والا اپنی بیوی کو بھی کھِلاتا ہے، بچوں کو بھی کھِلاتا ہے، آپ بھی کھاتا ہے، بیلوں کو بھی کھِلاتا ہے اور پھر اتنا روپیہ اس کے پاس بچ رہتا ہے تو حکومت کہے گی کہ یہ روپیہ تمہارا نہیں بلکہ ہمارا ہے اِسی طرح سَو یا ہزار ایکڑ والے کی ضروریات دیکھی جائیں گی اور جس قدر زائد روپیہ ہوگا حکومت اسے اپنے قبضہ میں لے لے گی کیونکہ وہ کہتے ہیں ہمارا اصول یہی ہے کہ جتنا کسی کے پاس زائد ہو اُس سے لے لو۔

دوسرا اصول دوسرا اصول انہوں نے یہ مقرر کیا کہ جتنی کسی کو ضرورت ہو اُس کو دیا جائے گویا پہلے اصول کے مطابق سَو یا ہزار ایکڑ والے سے اُس کی زائد

آمد وصول کر لی اور اِس اصول کے مطابق جتنی کسی کو ضرورت ہوئی اُتنا اُسے دے دیا۔ فرض کرو سَو ایکڑ والے سے حکومت نے پانچ ہزار روپیہ وصول کیا تھا مگر اس کے گھر کے افراد دو تین ہیں تو اسے زیادہ روپیہ نہیں دیا جائے گا بلکہ افراد کی نسبت سے دیا جائے گا کیونکہ روپیہ لیا اس اصول کے ماتحت گیا تھا کہ جتنا کسی کے پاس ہو لے لو اور دیا اِس اصول کے ماتحت جائے کہ جتنی کسی کو ضرورت ہو اُتنا اُس کو دیا جائے۔ اُسے کہا جائے گا کہ تیرے پاس چونکہ زیادہ تھا اِس لئے ہم نے زیادہ لیا اور تجھے چونکہ ضرورت کم ہے اِس لئے ہم تجھے کم روپیہ دیتے ہیں۔

تیسرا اصول

تیسرا اصول انہوں نے یہ مقرر کیا کہ انسانی ضرورت سے زائد پیداوار پر حکومت کا حق ہے جو ملک کی عام بہتری پر خرچ ہونی چاہئے۔ فرض کرو دو زمیندار ہیں اور دونوں کے پاس دس دس ایکڑ زمین ہے ان میں سے ایک نے زیادہ محنت سے کام کیا اور اُس کی پیداوار تیس من فی ایکڑ کے حساب سے ہو گئی مگر دوسرے کی پیداوار صرف تین من فی ایکڑ ہوئی گویا ایک کی پیداور ۳۰۰ من ہو گئی اور دوسرے کی صرف ۳۰ من۔ اب فرض کرو جس کی ۳۰۰ من پیداوار ہوئی ہے اُسے صرف چالیس من پیداوار کی ضرورت ہے تو حکومت اسے کہے گی چونکہ تمہاری پیداوار زیادہ ہوئی ہے اِس لئے تم چالیس من رکھ لو اور ۲۶۰ من ہمارے قبضہ میں دے دو اسی طرح دوسرا شخص جس کی صرف ۳۰ من پیداوار ہوئی ہے اُسے اگر اپنے لئے صرف دس من غلہ کافی ہو گا تو حکومت کہے گی دس من غلہ رکھ لو اور بیس من ہمیں دے دو پس تیسرا اصول ان کا یہ ہے کہ جو پیداوار ضرورت سے زیادہ ہو جائے چاہے محنت سے ہو اور چاہے اتفاقیہ طور پر وہ لے لی جائے کیونکہ وہ حکومت کا حق ہے۔

چوتھا اصول

چوتھا اصول انہوں نے یہ مقرر کیا کہ حکومت انسانوں پر نہیں بلکہ چیزوں پر ہونی چاہئے وہ کہتے ہیں خالی یہ قانون کافی نہیں کہ زائد پیداوار لے لی جائے گی کیونکہ اِس طرح حکومت صرف انسانوں پر رہتی ہے حالانکہ حکومت اشیاء پر ہونی چاہئے۔ مثلاً کسی علاقہ میں گنّا اچھا ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں حکومت کا حق ہونا چاہئے کہ وہ لوگوں کو حکم دے کہ اس علاقہ میں صرف گنّا بوئیں یا کسی علاقہ میں گندم بہت اچھی ہوتی ہو تو حکومت کو اختیار ہونا چاہئے کہ وہ اُس علاقہ میں صرف گندم بونے کا حکم دے اور کوئی شخص گندم کے سِوا اَور کوئی چیز اس زمین میں نہ بو سکے۔ یا اگر حکومت حکم دینا چاہے کہ فلاں علاقہ میں کپاس بوئی جائے، فلاں علاقہ میں جوار بوئی جائے تو سب لوگ اس کی تعمیل پر مجبور ہوں اور کوئی شخص خلاف ورزی نہ کر سکے۔ پس

چوتھے اصول کے مطابق انہوں نے فیصلہ کیا کہ پیداوار کی تقسیم ہم کریں گے اور ہم فیصلہ کریں گے کہ فلاں فلاں علاقہ میں فلاں فلاں چیز بوئی جائے اور لوگوں کا فرض ہوگا کہ وہی چیز بوئیں۔

پانچواں اُصول

پانچواں اُصول انہوں نے یہ مقرر کیا کہ خالص دماغی قابلیّتیں بغیر ہاتھ کے کام کے کوئی قیمت نہیں رکھتیں۔ وہ کہتے ہیں یہ کہنا کہ فلاں شخص کوئی عِلمی بات سوچ رہا ہے بالکل لغو ہے اصل چیز ہاتھ سے کام کرنا ہے دماغی کام کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ ہاتھ سے کام کریں اور اگر وہ ہاتھ سے کام نہ کریں تو بیشک بھُوکے مریں ہم اُن کی مدد نہیں کریں گے۔

چھٹا اُصول

چھٹا اُصول انہوں نے یہ مقرر کیا کہ ہمیشہ اپنے اصول کے لئے حملہ کا پہلو اختیار کرنا چاہئے دفاع کا نہیں۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ بچاؤ کیا جائے بلکہ اپنے اصول کے لئے دوسروں پر حملہ کرنا چاہئے۔

پہلے اصول کا نتیجہ یعنی تمام مالداروں کی جائدادوں پر قبضہ

پہلے اصول کے نتیجہ میں بالشوزم نے تمام مالداروں کی جائدادوں پر قبضہ کرلیا کیونکہ انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ جو کچھ مِلتا ہے لے لو، زمینیں لے لو، جائدادیں لے لو، اموال لے لو اور اِس طرح جتنا کِسی کے پاس ہو جبراً اپنے قبضہ میں کرلو۔

دوسرے اصول کا نتیجہ یعنی ہاتھ سے کام کرنے والے کو ضرورت کے مطابق سامان مہیا کرنا

دوسرے اصول کے مطابق بالشوزم نے ہر ہاتھ سے کام کرنے والے کو اُس کی ضرورت کے مطابق سامان مہیّا کرنے کا ذمّہ لیا۔ مثلاً ایک گھر کے پانچ افراد ہیں وہ فوراً فیصلہ کر دیں گے کہ اِن پانچ افراد کو اِتنا کپڑا دے دیا جائے، اتنا غلّہ دے دیا جائے، اِتنا ایندھن دے دیا جائے، اِسی طرح ڈاکٹر مقرر کردیئے جائیں گے جو بیماری پر اُن کا مُفت علاج کریں گے۔ گویا اِس طریق کے مطابق ہر شخص کو پہننے کے لئے کپڑا، کھانے کے لئے غلّہ اور علاج کے لئے دَوا مِل جائے گی۔ حکومت کا کام ہوگا کہ وہ لسٹیں بنائے اور افراد کی جس قدر ضرورتیں ہوں پوری کردے۔ اور واقع میں اگر غور کیا جائے تو بالشوزم نے اِس مشکل کو دور کر دیا ہے اور اگر اس طریق سے کام لیا جائے تو کوئی شخص بھُوکا یا ننگا نظر نہیں آسکتا سوائے اِس کے کہ کوئی مذہبی آدمی ہو جیسے پادری وغیرہ کیونکہ ان کے

نزدیک ہاتھ سے کام کے بغیر خالص دماغی قابلیتیں کسی کام کی نہیں ہوتیں۔ پس وہ پادریوں اور اِسی قسم کے اَور مذہبی آدمیوں یا علماء اور فلاسفروں وغیرہ کو نکمّا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں انہیں اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا چاہیئے ورنہ ان کے بھُوکا رہنے کی حکومت پر ذمّہ داری نہیں ہوگی۔

تیسرے اُصول کا نتیجہ یعنی حکومت کے مقرر کردہ معیار سے زائد اشیاء پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ

تیسرے اصول کے مطابق انہوں نے زمینداروں اور تاجروں وغیرہ سے ہر وہ چیز جوحکومت کے مقرر کردہ معیار سے زائد ہو لے لینے کا فیصلہ کیا۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی زمین سے پچّاس من غلّہ پیدا کرتا ہے اور اس کی ضروریات کے لئے بیس من غلّہ کافی ہے تو تیس من غلّہ حکومت لے جائے گی اور کہے گی کہ یہ چیز چونکہ تمہاری ضرورت سے زائد ہے اِس لئے اس پر حکومت کا حق ہے۔ یا ایک شخص کے پاس بہت بڑی زمین ہے اور اُس کا گذارہ تھوڑی سی زمین پر بھی ہوسکتا ہے تو جتنی زمین پر اُس کا گذارہ ہوسکتا ہے وہ اُس کے پاس رہنے دی جائے گی اور باقی زمین پر حکومت قبضہ کر لے گی۔

چوتھے اصول کا نتیجہ یعنی عملی آزادی کا فُقدان

چوتھے اصول کے مطابق زمیندار، تاجر اور صنعت پیشہ لوگوں کی عملی آزادی کو اُس نے چھین لیا اور حکومت کے منشاء کے مطابق زراعت کرنا، تجارت کرنا اور صنعت وحرفت اختیار کرنا لازمی قرار دیا۔ مثلاً کہہ دیا کہ فلاں سَومیل کا جو علاقہ ہے اس میں صرف گندم بوئی جائے، فلاں علاقہ میں صرف گنّا بویا جائے اور فلاں علاقہ میں صرف کپاس بوئی جائے۔ ہمارے ملک میں تو زمیندار عام طور پر دو مرلہ میں جوار بو لیتے ہیں، دو مرلہ میں کپاس بو لیتے ہیں اور دو مرلہ میں گنّا بو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چھوٹے بچّے ہیں گنّے چُوسیں گے اور اگر چھوٹے زمیندار ایسا نہیں کرتے تو جس کے پاس دس بارہ گھماؤں زمین ہو وہ تو ضرور ایسا کرتا ہے مگر بالشویک حکومت والوں نے علاقوں کے علاقوں کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہاں گندم نہیں بونی بلکہ گنّا بونا ہے۔ کئی ضلعے ایسے ہیں جہاں صرف گندم بوئی جاتی ہے، کئی ضلعے ایسے ہیں جہاں صرف گنّا بویا جاتا ہے اور کئی ضلعے ایسے ہیں جہاں صرف کپاس بوئی جاتی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں یہ علاقے اسی فصل کے لئے موزوں ہیں اِس لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ اسکے علاوہ اَور کوئی فصل اس موسم کی وہاں نہ بوئی جائے۔ اگر کوئی کہے کہ پھر مَیں کھاؤں گا

کہاں سے؟ تو وہ کہہ دیتے ہیں روٹی کپڑا ہم دیں گے تمہیں اس کا کیا فکر ہے تمہیں فصل وہی بونی پڑے گی جس کا ہم تمہیں حکم دیتے ہیں۔ اِس طرح زمیندار کی حیثیت وہاں ایک مزدور کی سی ہوگئی ہے۔

پانچویں اُصول کا نتیجہ یعنی مذہبی نظام میں دخل

پانچویں اُصول کے مطابق انہوں نے مذہبی نظام میں دخل دیا اور پادریوں وغیرہ کو بغیر ہاتھ کی مزدوری کے روزی کا مستحق قرار نہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ جب پادری کوئی ہاتھ کا کام نہیں کرتے تو یہ نکمّے ہوئے اور نکمّے لوگوں کو روزی نہیں دی جا سکتی پس وہ انہیں مجبور کر کے یا تو اَور کاموں پر لگاتے ہیں اور یا پادری وغیرہ تھوڑا سا وقت عبادات میں گذار لیتے ہیں اور باقی وقت کِسی کام میں بسر کر دیتے ہیں۔

دہریّت پیدا کرنے کی تدبیر

اِسی مذہبی دشمنی کے سلسلہ میں انہوں نے ایک اَور نئی تجویز نکالی اور مذہب کے متعلق انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مذہب اِنفرادی آزادی کا نتیجہ ہونا چاہئے۔ ماں باپ اور بزرگوں کو بچپن میں مذہبی تعلیم دینے کا کوئی حق نہیں تعلیم کُلّی طور پر حکومت کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ وہ کہتے ہیں دیکھو! بچّوں پر یہ کیسا ظلم کیا جاتا ہے کہ بچپن میں ہی ان کے دِلوں پر مذہب کا اثر ڈالا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو مسلمان ہوتے ہیں اُن کے بچّے مسلمان بن جاتے ہیں، جو ہندو ہوتے ہیں ان کے بچّے ہندو بن جاتے ہیں اور جو پارسی ہوتے ہیں اُن کے بچّے پارسی بن جاتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے بلکہ بچّوں کو ہر قسم کے مذہبی اثرات سے آزاد رکھنا چاہئے۔ جب بچّہ جوان ہو جائے تو وہ جو چاہے مذہب اختیار کر لے جوانی سے پہلے ہی زبردستی اس کے دل پر اپنے مذہب کا اثر ڈالنا صریح ظلم ہے چنانچہ اِس اصل کا نتیجہ مذہب کے حق میں زہر نکلا۔ وہ چھوٹے چھوٹے بچّوں کو اُن کے ماں باپ سے جُدا کر لیتے ہیں اور اپنے سکولوں میں تعلیم دلاتے ہیں جہاں مذہب کا نام تک بچّہ کے کانوں میں نہیں پڑتا۔ جب وہ اٹھارہ بیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اور پکّا دہریہ بن جاتا ہے تو کہتے ہیں اب یہ جوان ہو گیا ہے اور اب اس کے سمجھنے کا زمانہ آ گیا ہے اب یہ جو چاہے مذہب اختیار کر لے حالانکہ اُس وقت اُس نے کیا سمجھنا ہے اُس وقت تو دہریت اُس کی رَگ رَگ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے۔ غرض وہ کہتے ہیں ہم بچّوں پر ظلم نہیں کرتے بلکہ ان کی تختی صاف رکھتے ہیں تا کہ بعد میں اس پر جو نقش چاہیں ثبت

کر لیں حالانکہ اِس رنگ میں دل کی تختی صاف رکھنے کے معنے سوائے دہریّت کے اَور کچھ نہیں۔ جب وہ اٹھارہ بیس سال تک اپنے مطلب کی باتیں ان کے کانوں میں ڈالتے رہتے ہیں تو جوان ہونے پر اُن کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کے دل کی تختی بالکل صاف رکھی تھی صریح جُھوٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اِس طرح دل کی تختی صاف نہیں رکھتے بلکہ انہیں دہریّت کے گڑھے میں گِرا دیتے ہیں پس اِس اصل نے آئندہ نسلوں کو بالکل دہریہ بنا دیا ہے۔

چھٹے اُصول کا نتیجہ یعنی غیر ممالک میں اپنے خیالات کا پروپیگنڈا

چھٹے اصول کے مطابق انہوں نے اپنے ملک سے باہر دوسرے ممالک میں جا کر اپنے خیالات پھیلانے اور ریشہ دوانیاں کرنی شروع کر دیں۔ چونکہ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ہمیشہ اپنے اصول کے لئے حملہ کا پہلو اختیار کرنا چاہئے دفاع کا نہیں اِس لئے انہوں نے اپنے ایجنٹ جرمنی اور جاپان اور اٹلی وغیرہ میں بھجوانے شروع کر دیئے اور بیرونی ممالک میں ان کا نام کمیونسٹ پڑا۔ پنجاب میں بھی کمیونسٹ پائے جاتے ہیں، ہندوستان کے باقی صوبہ جات مثلاً بہار وغیرہ میں بھی ہیں۔ اس طرح مارکس (بنی اسرائیلی النسل اَلْمانوی المَوْلدْ) کے اصول کی حکومت روس پر ہوگئی اور یہ تحریک اِس رنگ میں جاری ہوگئی کہ اس کے نتیجہ میں ہر شخص کو روٹی کپڑا ملے گا، غربت دُور ہو گی اور امراء اور غرباء میں مساوات قائم ہو جائے گی چونکہ اِس تحریک کا اثر آہستہ آہستہ ساری دنیا پر پڑنے لگا اِس لئے اِس تحریک کا ایک اَور نتیجہ بھی برآمد ہؤا۔

یورپ میں بالشوزم کا ردِّعمل تین تحریکات کی صورت میں یعنی فیسزم، ناٹسزم اور فیلنگس کا آغاز

وہ یہ کہ جب بالشوزم کے ایجنٹ سارے ملکوں میں پھیل گئے اور وہ دوسرے ممالک کو بھی اِس تحریک کے زیر اثر لانے لگے تو یورپ کے بعض دوسرے ممالک جیسے جرمنی اور اٹلی جو اس بات کی خوابیں دیکھ رہے تھے کہ موجودہ طاقتور حکومتوں کے زوال پر دُنیا کی سیاست اور اقتصاد پر قابض ہوں گے انہوں نے اس میں اپنے خواب کی تخریب دیکھی۔ یہ ممالک سوچ رہے تھے کہ فرانس، انگلستان اور امریکہ بہت دیر تک دُنیا پر حکومت کر چکے ہیں اور اب ایک لمبے عرصہ کی حکومت کے بعد اِن میں تعیُّش پیدا ہو چکا ہے اور یہ حکومتیں کمزور ہو رہی ہیں اب دُنیا پر حکومت کرنا ہمارا حق ہے۔ پس جرمن، اٹلی اور

سپین والے جو یہ خوابیں دیکھ رہے تھے کہ انگلستان، فرانس اور امریکہ کی حکومتیں اب بوڑھی ہو چکی ہیں اُن کی جگہ اب ہمیں موقع ملنا چاہئے تاکہ ہم بھی حکومت کا مزا اُٹھائیں وہاں جب یہ تحریک پہنچی تو ان کے دلوں میں سخت گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہوئی۔ اُن کی حالت ایسی ہی تھی جیسے چیلیں اور گِدھیں جب کسی بَیل کو دَم توڑتا ہؤا دیکھتی ہیں تو بڑے مزے سے اِس انتظار میں بیٹھ رہتی ہیں کہ کب یہ بَیل مرے کہ ہم اسے نوچ نوچ کر کھا جائیں اسی طرح جرمن اور اٹلی والے دیکھ رہے تھے کہ کب انگلستان، فرانس اور امریکہ کا زور ٹُوٹے کہ ہم اُن کی حکومتوں پر قابض ہو جائیں اور جس طرح ایک لمبے عرصہ تک انہوں نے دُنیا کی دولت سے فائدہ اُٹھایا ہے اِسی طرح ہم بھی اُٹھائیں۔ ان لوگوں کو اِس تحریک سے سخت تشویش پیدا ہوئی کہ ہم تو کہتے ہیں کہ ہمیں آئندہ حکومت ملے اور یہ تحریک سب حکومتوں کو تباہ کرنا چاہتی ہے نتیجہ یہ ہؤا کہ اِس تحریک کا ردِّعمل ان ممالک میں پیدا ہؤا۔ چنانچہ اٹلی میں مسولینی کے ذریعہ فیسزم پیدا ہؤا، جرمنی میں اِس کا توڑ ہٹلر نے ناٹسزم کے ذریعہ نکالا اور سپین میں فرینکو اور فیلنگس تحریک نے سر اُٹھایا۔

بالشوزم کے مقابلہ میں نئی تحریکات کا مقصد

اِن تینوں تحریکات کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ تھا بالشوزم کا مقابلہ کرنا۔ انہوں نے سمجھا کہ اگر یہ خیالات لوگوں میں پھیل گئے تو ہماری ترقی بالکل رُک جائے گی۔ چونکہ عوام الناس پر بالشویک تحریک کا اثر لازمی تھا اِس لئے غرباء اِس تحریک کے حامی تھے کیونکہ وہ کہتے تھے اس ذریعہ سے ہمیں کپڑے ملیں گے، کھانا ملے گا، دوا ملے گی اور ہماری تمام ضروریات کو پورا کیا جائے گا۔ دُور کے ڈھول ہمیشہ سہانے ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی کئی لوگ بالشویک تحریک کے حامی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اِس حکومت میں سرکار کے آدمی ہر شخص کے پاس آتے اور اُسے سِلا سِلایا پاجامہ اور سِلی سِلائی قمیص دے دیتے ہیں، اِسی طرح کھانے کے لئے جس قدر غلّہ ضروری ہو وہ دے دیتے ہیں یا اَور جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے حکومت فوراً مہیّا کر دیتی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر یہ تحریک جاری ہو جائے تو دُنیا کا تمام موجودہ نظام توڑ کر بے شک ہر شخص کو روٹی کپڑا ملے گا لیکن جو بچے گا وہ سرکار لے جائے گی مگر عام لوگ اِن باتوں کو نہیں دیکھتے وہ صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ اِس تحریک کے نتیجہ میں ہمیں روٹی کپڑا ملے گا اور کوئی شخص ننگا یا بُھوکا نہیں رہے گا۔

اٹلی اور جرمنی کی طرف سے بالشوزم کے خلاف اور ناٹسزم اور فیسزم کی حمایت میں پروپیگنڈا کے مختلف ذرائع

غرض جرمنی اور اٹلی میں بھی عوام النّاس پر اس تحریک کا اثر ہونے لگا اور لوگ یہ کہنے لگ گئے کہ ہمارے ملک میں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس سے ہر شخص کو آرام حاصل ہو جائے گا اور دُکھ درد جاتا رہے گا۔

جرمنی اور اٹلی کی طرف سے بالشوزم کے خلاف پروپیگنڈا کا پہلا ذریعہ

آخر ہٹلر اور مسولینی نے اِس کا توڑ نکالا اور لوگوں سے کہا کہ تم فکر نہ کرو ناٹسزم اور فیسزم بھی امیروں کے مالوں پر قبضہ کرے گی اور ملک کی تمام تجارتوں اور صنعت وحرفت پر قبضہ کر کے غریبوں کو اُن کا حق دلوائے گی۔ پس آئندہ براہِ راست مزدور اور سرمایہ دار کا تعلق نہیں ہوگا بلکہ حکومت کے توسّط سے ہوگا اور اِس طرح انہیں وہ تکلیف نہیں ہوگی جو تاجروں سے پہنچتی ہے یا کارخانہ داروں سے پہنچتی ہے کیونکہ ہماری حکومتیں تجارتوں اور صنعت وحرفت پر خود قبضہ رکھیں گی اور اس طرح غریبوں کا حق انہیں دلوائیں گی۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ ملک کو مالدار بنانے کے لئے بڑے بڑے کارخانوں کی ضرورت ہے، بڑی بڑی تجارتوں کی ضرورت ہے تاکہ مالداروں سے مال لے کر تمہاری بہتری پر خرچ کیا جاسکے اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ بیرونی ممالک سے تجارت جاری رکھی جائے اور اِس طرح اُن کے مال کو لُوٹ کر اپنے ملک کے غرباء کی ترقّی کے لئے خرچ کیا جائے مثلاً انہوں نے لوگوں سے کہا کہ تم چین کو نہیں لُوٹ سکتے۔ تم امریکہ، انگلستان یا فرانس کو نہیں لُوٹ سکتے، لُوٹنے کا طریق یہی ہے کہ ہمارے پاس بڑے بڑے جہاز ہوں، بڑے بڑے کارخانے ہوں، بڑی بڑی تجارتیں ہوں اور ہمارے تاجر باہر جائیں اور ان ممالک کے اموال لُوٹ کر لے آئیں۔ پس انہوں نے اپنے ملک کے لوگوں کو سبق دیا کہ تم اِن بڑے بڑے تاجروں کو مال کمانے دو پھر ان سے مال چھین کر ہم تمہیں دے دیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو وہی مثال ہو جائے گی جیسے کہتے ہیں کہ کسی شخص کے پاس ایک مُرغی تھی جو روزانہ ایک سونے کا انڈہ دیا کرتی تھی اُسکے دِل میں حرص پیدا ہوئی کہ اگر میں اسے زیادہ کِھلاؤں گا تو یہ دو انڈے روزانہ دیا کرے گی چنانچہ ایک دن اُس نے اسے خوب کِھلایا مگر

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مرگئی اور آئندہ سونے کا انڈہ ملنا بند ہوگیا۔ یہی بات جرمنی اور اٹلی کی حکومتوں نے اپنی رعایا کے کانوں میں ڈالی کہ اگر اُمراء کو ایک دفعہ لُوٹ لیا اور پھر انہیں کمانے کا موقع نہ دیا تو وہ غریب ہوجائیں گے اور اُن کی لُوٹ میں تم ایک دفعہ ہی حصّہ لے سکو گے لیکن اگر تم ایک دفعہ لُوٹ لو اور پھر انہیں کمانے کی اجازت دے دو اور جب کچھ عرصہ کما چُکیں تو پھر لُوٹ لو تو اِس طرح بار بار اُن کے مال تمہارے قبضہ میں آتے چلے جائیں گے۔ پس انہوں نے کہا کہ اِن بڑے بڑے تاجروں کو مال کمانے دو جب یہ مال کما کرلائیں گے تو وہ تمہیں دے دیئے جائیں گے۔

بالشوزم کے خلاف پروپیگنڈے کا دوسرا ذریعہ

دوسرے انہوں نے اپنے ملک کے لوگوں کو یہ بتایا کہ بالشوزم امپیریلزم کی مخالف ہے اور چاہتی ہے کہ غیر مُلکیوں کی حکومت نہ ہو مگر حالت یہ ہے کہ انگریزوں نے ایک مدّت تک ملکوں پر حکومت کر کے دُنیا کے اموال خُوب جمع کر لئے ہیں یہی حال امریکہ اور فرانس کا ہے کہ وہ دُنیا کی سیاست اور اقتصاد پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں مگر جب ہماری باری آئی ہے تو اب یہ دلیلیں دی جاتی ہیں کہ اس کا یہ نقصان ہے وہ نقصان ہے ہم ان دلیلوں کو نہیں مانتے۔ ہم بھی انکی طرح غیر مُلکوں پر قبضہ کریں گے اور ان کے اموال لاکر اپنے ملک کے غرباء میں تقسیم کریں گے۔ غریبوں کو یہ بات طبعًا بہت اچھی لگی اور انہوں نے بھی آخر اِس تحریک کی تائید کرنی شروع کر دی۔

بالشوزم کے خلاف پروپیگنڈے کا تیسرا ذریعہ

پھر انہوں نے اپنے ملک کے لوگوں کو بتایا کہ بالشویک تحریک خود بخود زور نہیں پکڑ رہی بلکہ دراصل امریکہ، فرانس اور انگلستان والے اِس کی مدد کر رہے ہیں تا کہ جرمنی اور اٹلی والے ان کی دولت میں حصہ دار نہ بن سکیں۔ اس سے ملک میں بالشوزم کے خلاف اَور بھی جوش پیدا ہو گیا۔

بالشوزم کے خلاف پروپیگنڈے کا چوتھا ذریعہ

پھر انہوں نے اپنے ملک کے لوگوں کو ایک اور بات بتائی اور کہا دیکھو! اگر آج ہم اپنے ملک کے امیروں کو لُوٹ لیں گے تب بھی ہمارا اِقتصادی معیار زیادہ بلند نہیں ہوگا کیونکہ ہمارا ملک پہلے ہی غریب ہے اور اس کے پاس دولت بہت کم ہے اور

تھوڑی دولت کی تقسیم ملک کے افراد کو آسُودہ حال نہیں بنا سکتی۔ فرض کرو ۱۰۰ غرباء ہوں اور پچاّس روپے ہوں تو ہر غریب کو آٹھ آٹھ آنے ملیں گے مگر آٹھ آنے سے اس کی مالی حالت سُدھر نہیں سکتی پس انہوں نے غرباء سے کہا کہ ہمارے ملک پہلے سے غریب ہیں اگر ان میں بالشویک تحریک آ بھی جائے تب بھی سارے ملک کا اقتصادی معیار اتنا بلند نہیں ہوگا جتنا کہ بغیر بالشوزم کے انگلستان، فرانس اور امریکہ میں ہے پس بالشوزم ان ممالک کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہوگی ہاں اگر فیسزم اور ناٹسزم کی جارحانہ پالیسی کو تسلیم کر لیا جائے تو ایک طرف تو ان کا طاقت پکڑنے والا نظام امریکہ، انگلستان اور فرانس کو شکست دے کر ان کی دولت کو کھینچ لائے گا اور دوسری طرف دوسرے ممالک پر قبضہ کر کے اُن کی دولت سے ان ممالک کو مالا مال کیا جا سکے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت کی فراوانی کے بعد نیشنل سوشلسٹ حکومت کے نظام کے ماتحت غرباء کی حالت اس سے کہیں بہتر ہوگی جتنی کہ بالشویک رواج کے ماتحت ہوسکتی ہے کیونکہ تھوڑی دولت کی تقسیم آخر ملک کے ہر فرد کو آسُودہ نہیں بنا سکتی مگر زیادہ دولت کی تقسیم نیشنلسٹ انتظام کے ماتحت ملک کے تمام افراد کو زیادہ سُکھیا بنا دے گی۔

اٹلی اور جرمنی میں ناٹسزم اور فیسزم کی قبولیّت

یہ سارے نظریّے ایسے تھے کہ باوجود اِس کے کہ اٹلی، جرمنی اور سپین میں بالشوزم کے ایجنٹ موجود تھے، لوگوں نے ناٹسزم اور فیسزم کی طرف توجّہ کرنی شروع کر دی کیونکہ انہوں نے کہا ہمارا پیٹ فیسزم اور ناٹسزم سے زیادہ بھرتا ہے بالشوزم سے زیادہ نہیں بھرتا۔ پس انہوں نے اپنے ملک کے لیڈروں کو طاقت دینے کا تہیّہ کر لیا تا کہ وہ انگلستان، فرانس اور امریکہ کو شکست دے کر اِن ملکوں کی دولت کو کھینچ لائیں اور جرمنی، اٹلی اور سپین میں تقسیم کر دیں۔

بالشوزم کے خلاف پروپیگنڈے کا پانچواں ذریعہ یعنی

بیرونی اقتدار کے ماتحت مذاہب کو مٹانے کی کوشش

یہ جو نیشنل سوشلزم والے لوگ تھے انہوں نے ایک اور بات بھی پھیلائی اور وہ یہ کہ جس طرح بالشویک تحریک کے ذریعہ امریکہ، انگلستان اور فرانس والے ہمیں نقصان پہنچا رہے ہیں اسی طرح یہ مالدار اقوام اپنے بیرونی مذہبی اثر سے ملک میں تفرقہ پیدا کئے رکھتی ہیں اس لئے کوئی

ایسا مذہب ملک میں مقتدر نہیں ہونا چاہئے جو بیرونی اقتدار کے اثر کے نیچے ہو۔ چنانچہ اِسی بناء پر ہٹلر نے رومن کیتھولک اور یہودی مذہب کو مٹانا شروع کیا بلکہ اِس ڈر سے کہ آئندہ اسرائیلی نسل کے لوگ بالشوزم کا اثر نہ پھیلائیں کیونکہ روس میں اسرائیلیوں کو اقتدار حاصل ہے اس نے عیسائی اسرائیلیوں کو بھی تباہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہٹلر یہودیوں کا اِسی لئے مخالف ہے کہ اس کا اصل یہ ہے کہ ایسے تمام مذاہب جن کے مرکز جرمنی سے باہر ہیں انہیں ملک میں طاقت پکڑنے نہیں دینا چاہئے یہی بناء اس کی رومن کیتھولک سے مخالفت کی ہے۔ باقی لوگوں کا چونکہ باہر کوئی مذہبی مرکز نہیں اس لئے وہ سمجھتا ہے ان کی نگاہ جرمنی سے باہر کسی اَور طرف نہیں اُٹھے گی۔ گویا اُن کا جو مذہب ہوگا اس میں وہ مُنفرد ہوں گے خواہ اس میں کس قدر وحشیانہ احکام کیوں نہ پائے جاتے ہوں۔

بیرونی اِقتدار کے ماتحت مذاہب کو مٹانے کی کوششوں کا نتیجہ

اس اثر کے ماتحت جرمنی میں ایسی مذہبی تحریکیں شروع ہوگئی ہیں جو پُرانے اصنام پرستی کے عقائد کی طرف لوگوں کو لے جاتی ہیں چنانچہ ایک تحریک جس میں جنرل لوڈن ڈروف[۵] اور اُن کی بیوی نے بہت سرگرمی دکھائی، یہ ہے کہ پُرانے زمانہ میں جرمن کُتّے کی پُوجا کیا کرتے تھے اب پھر جرمنوں کو اسی طرف توجّہ کرنی چاہئے۔ یہ ہٹلر کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ ایسا طریق اختیار کرو کہ کوئی قوم اپنے بیرونی مذہبی اثر سے ملک میں تفرقہ پیدا نہ کرسکے اور چاہئے کہ کوئی ایسا مذہب ملک میں نہ ہو جس کا مرکز جرمن سے باہر ہو اسی بناء پر جرمنی نے رومن کیتھولک اور یہودی مذہب کو مٹانا شروع کیا ہے۔ اٹلی والوں نے ایسا نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روم ہی رومن کیتھولک مذہب کا مرکز تھا اور اس وجہ سے فاشسٹ پارٹی نے اس مذہب کی اتنی مخالفت نہیں کی مگر اس کے اقتدار کو کم کرنے کی ضرور کوشش کی تاکہ ملک کی مذہبی جماعت سیاسی جماعت کے کام میں رخنہ پیدا نہ کرے۔ بعد میں ہٹلر کے اثر کے ماتحت اسرائیلیوں کی مخالفت بھی انہوں نے شروع کردی کیونکہ انہیں بتایا گیا کہ ایک طرف یہ قوم بالشویک اثر کو پھیلاتی ہے اور دوسری طرف برسرِ اقتدار حکومتوں میں خاص نفوذ رکھنے کی وجہ سے اُن کے اثر کو مضبوط رکھتی ہے۔ سپین نے بالشویک اور موجودہ برسرِ اقتدار اقوام کی مخالفت تو کرنی شروع کی لیکن یہودیوں کی ابھی اتنی مخالفت شروع نہیں کی جتنی جرمنی اور اٹلی میں ہوتی ہے۔

بالشوزم کے خلاف پروپیگنڈے کا چھٹا ذریعہ یعنی آرین نسل کے لئے استحقاقِ حکومت کے خیال کی اشاعت

پھر ایک اور نظریہ ہٹلر اور مسولینی نے پبلک کو جوش دلانے اور اُن کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے یہ پھیلایا کہ دُنیا میں ارتقاء کے مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں سب سے بہتر چیز ہی آگے بڑھتی ہے اور اس کے بڑھنے سے ہی دُنیا کا ہر اگلا قدم ترقی کی طرف جاتا ہے۔ اسی نظریہ کے ماتحت اس نے کہا کہ چونکہ آرین نسل سب قوموں سے زیادہ قابل ہے اِس لئے جرمن نسل کو خصوصاً اور باقی آرین نسلوں کو عموماً آگے لانا چاہئے۔ اِس موقع پر مَیں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہٹلر اِس بات میں پنڈت دیانند کا شاگرد ہے کیونکہ سب سے پہلے پنڈت دیانند صاحب نے ہی یہ خیال پھیلایا کہ آرین نسل سب نسلوں سے اعلیٰ ہے بہرحال جرمن چونکہ آرین نسل میں سے ہیں اور آرین نسل ہٹلر کے اصول کے مطابق سب سے اچھی ہے اِس لئے ہٹلر نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ جو اعلیٰ نسل ہو اُسے ہی حکومت ملنی چاہئے۔ وہ کہتا ہے دیکھو! لوگ اچھا گھوڑا پیدا کرتے ہیں، اچھی گائے پیدا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ناقص گھوڑوں اور ناقص گائیوں کی بجائے اعلیٰ عمدہ نسل کے گھوڑے اور گائیں رکھیں پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ حکومت میں اِس امر کو مدِّ نظر نہیں رکھا جاتا اور اِس بات کو نظر انداز کیا جاتا ہے کہ دُنیا میں زیادہ قابل لوگ ہی حکومت کے اہل ہوتے ہیں۔ چونکہ اِس وقت ہماری نسل سب سے اعلیٰ ہے اِس لئے ہمارا حق ہے کہ ہم دوسروں کو غلام بنا کر رکھیں جیسے انسان گدھے کو غلام بنا کر رکھتا ہے۔ یہ تو نہیں ہوتا کہ وہ گدھے کے تابع ہو کر چلے جس طرح گدھے کو اپنے ماتحت رکھنا ظلم نہیں کہلا سکتا اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے ماتحت کریں اور اُن پر حکومت کریں۔ یہ نظریہ بھی لوگوں کو بڑا پسند آیا اور اِس طرح ہٹلر اور مسولینی کے ساتھ اُن کا تمام ملک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ غربت کے دُکھ درد کو دُور کرنے کے لئے اِس وقت تین تحریکیں دُنیا میں زور پر ہیں۔

سوشلزم کے ذریعہ انگلستان، فرانس اور امریکہ کے مزدوروں کو فائدہ

اوّل برسرِ اقتدار ممالک کی سوشلزم جو آہستہ آہستہ اپنے ملکوں میں غرباء کو زیادہ حقوق دلانے اور حکومت کو ملک کی دولت پر زیادہ تصرّف دلانے کی تائید میں ہے یہ تحریک انگلستان، فرانس

اور امریکہ میں جاری ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ آہستہ آہستہ مزدور پیشہ لوگوں کو حکومت میں زیادہ تصرّف دلایا جائے، غرباء کو زیادہ حقوق دلائے جائیں اور ملک کی تجارت کو اتنا بڑھایا جائے کہ غرباء کی غربت دُور ہو جائے۔ اِن ممالک میں چونکہ یہ تحریک ایک عرصہ سے جاری ہے اِس لئے اس کا ان ممالک کے غرباء کو اِس حد تک فائدہ ضرور ہؤا ہے کہ ہمارے ملک کا امیر اور انگلستان کا غریب دونوں برابر ہوتے ہیں۔ یہاں کسی کی تنخواہ تین سَو روپے ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو رئیس سمجھنے لگتا ہے۔ ہمارے ملک میں بڑا عُہدہ ڈپٹی کا ہے یا جج کا ہے اور سب جج اور ڈپٹی کو اڑھائی سَو روپے تنخواہ ملا کرتی ہے مگر یہ انگلستان میں ایک مزدور کی تنخواہ ہے۔ امریکہ میں تو اس سے بھی زیادہ تنخواہیں ہیں وہاں بعض جگہ معمولی مزدور کی ماہوار تنخواہ ڈیڑھ ڈیڑھ سَو دو دوسَو ڈالر ہوتی ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ پانچ سَو یا سات سَو روپیہ ماہوار مگر وہ کہلاتا مزدور ہے۔ غرض انہوں نے ایک تو معیارِ زندگی کو بڑھالیا ہے دوسرے انہوں نے یہ اصول مقرر کیا ہؤا ہے کہ ملک کی تجارت اور اقتصادی حالت کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے اِس طرح ملک کی دولت بڑھے گی اور جب ملک کی دولت بڑھے گی تو غرباء کو بھی ترقی حاصل ہوگی۔ یہ انگلستان، فرانس اور امریکہ کی تحریکِ سوشلزم کے نتائج ہیں لیکن اس تحریک کی ہمدردی زیادہ تر اپنے ملک کے غرباء کے ساتھ ہے۔ وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ دوسرے ممالک کی بھی کچھ اَشک شوئی کریں مگر یہ نہیں چاہتے کہ دوسرے ممالک میں جو اُن کی اقوام کو نفوذ اور اقتدار حاصل ہے وہ مِٹ جائے۔ ہندوستان کا سوال آجائے تو وہ ضرور اَشک شوئی کرنے کی کوشش کریں گے مگر جب بھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو کچھ دے دیا جائے اُس وقت وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کے اقتدار میں کوئی فرق آئے۔ گویا ان کا ہندوستانیوں سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے جیسے ایک پالتو جانور کو اچھی غذا دی جاتی ہے۔ پالتو جانور کو اچھی غذا دینے والا اچھی غذا تو دیتا ہے مگر اپنی غذا کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا اسی طرح یہ لوگ ہندوستان کو جب بھی کوئی حق دینا چاہتے ہیں ساتھ ہی یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کی امپیریلزم کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ آج ہمارا مزدور چار سَو روپیہ ماہوار لیتا ہے اگر کل وہ دوسَو روپیہ تک پہنچ گیا تو ہماری حالت بھی وہی ہو جائے گی جو ہندوستان اور افغانستان کے غرباء کی ہے۔ اِس تحریک کے دو عظیم الشّان نقصانات ہیں۔

سوشلزم تحریک کے دو عظیم الشان نقصانات یعنی غیر ملکوں سے ہمدردی کا فُقدان اور مذہب سے بے توجّہی

اوّل اِس تحریک کو ساری دنیا سے ہمدردی نہیں بلکہ اپنے ملک سے ہمدردی ہے۔ گویا یہ تحریک مخفی امپیریلزم کی شریکِ حال ہے اور انٹرنیشنلزم کا ساتھ صرف اس لئے دیتی ہے کہ دوسری اقوام آگے نہ بڑھیں۔ دوسرا نقص اِس تحریک میں یہ ہے کہ اس میں صرف دُنیوی پہلو کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے مذہبی پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ گویا اگر پہلے نقص کو یہ تحریک دُور بھی کر دے اور اِس نظام کے اصول میں ساری دنیا سے ہمدردی کرنا شامل کرلیا جائے تب بھی مذہب کا خانہ خالی ہے حالانکہ جسمانی ضرورتوں سے مذہبی اور دینی ضرورتیں زیادہ اہم ہؤا کرتی ہیں۔ یہ لوگ مذہب کے دشمن نہیں مگر انہیں مذہب سے ہمدردی بھی نہیں اور جب ہمدردی نہیں تو انہوں نے مذہب کے لئے خرچ کیا کرنا ہے؟

دوسری تحریک اِس مرض کا علاج کرنے کے لئے وہ جاری کی گئی ہے جو روس میں پائی جاتی ہے اور جس کا نقطۂ مرکزی یہ ہے کہ انفرادی جدّ وجہد کو بالکل مٹا دیا جائے اور جس قدر دولت ہو وہ حکومت کے ہاتھ میں آ جائے جو لوگ ہاتھ سے کام کرنے والے ہوں ان کے لئے تو مناسب گذارے مقرر کر دیئے جائیں مگر خالص علمی اور مذہبی کام کرنے والوں کو عضوِ بیکار قرار دے کر حکومت کی مدد سے محروم کر دیا جائے اور عام گذارہ سے زیادہ بچی ہوئی تمام دولت حکومت کے ہاتھ میں ہو اور کام اور مقام کا فیصلہ بھی حکومت کرے اور ماں باپ کو مذہب کی تعلیم دینے کا اختیار نہ دیا جائے اور اس تحریک کو ساری دنیا میں پھیلایا جائے یہاں تک کہ دنیا کی سب اقوام اس تحریک میں شامل ہو جائیں۔ گو یہ لوگ اقتدارِ عوام کے حامی ہیں مگر شروع میں ایک لمبے عرصے تک یہ اقتدار عوام کو سونپنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ تحریک روس میں بالشوزم اور کمیونزم (COMMUNISM) اور دوسرے ممالک میں کمیونزم کہلاتی ہے۔ اِس تحریک کے اصولی نقائص یہ ہیں:-

کمیونزم کے سات اصولی نقائص۔ پہلا نقص یعنی انفرادی جدّ وجہد کے رستہ کی بندش

اوّل۔ انفرادی جدّ وجہد کا راستہ بالکل بند کر دیا گیا ہے یہ اس تحریک میں ایک خطرناک نقص ہے جو گو اِس وقت محسوس نہیں کیا جاتا مگر بعد میں کسی

وقت ضرور محسوس کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں یہ مادہ رکھا ہے کہ جس کام سے اُس کا ذاتی فائدہ ہو یا جس کام کے نتیجہ میں اُس کے ذریعہ سے دوسروں کا فائدہ ہو اس میں تو وہ دلچسپی لیتا ہے مگر جس کام کا فائدہ اُسے یا دوسروں کو کسی دوسرے کے ہاتھ سے پہنچے اُس میں وہ زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔ جب تم کسی کے دماغ سے اِس رنگ میں کام لو گے کہ خواہ اس کام کا نتیجہ اُسے نظر آئے یا نہ آئے وہ کرتا چلا جائے تو یہ لازمی بات ہے کہ وہ اس کام میں دلچسپی نہیں لے گا کیونکہ دلچسپی نتیجہ نظر آنے سے ہوتی ہے۔ اب تو جو شخص تعلیم حاصل کرتا ہے وہ سمجھتا ہے اگر میں ایم۔اے ہوگیا یا یونیورسٹی امتحان میں فرسٹ (FIRST) نکل آیا تو مجھے کوئی اعلیٰ ملازمت مِل جائے گی یا کوئی خیال کرتا ہے کہ مَیں فوج میں لیفٹیننٹ ہو جاؤں گا، کوئی خیال کرتا ہے مَیں ای۔اے۔سی ہو جاؤں گا، کوئی خیال کرتا ہے مَیں بڑا تاجر ہو جاؤں گا اور اِس طرح خود بھی روپیہ کماؤں گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچّوں کی بھی خدمت کروں گا۔ اِس وجہ سے وہ اپنی تعلیم میں بڑی دلچسپی لیتا ہے لیکن فرض کرو یہ محرّک جاتا رہے اور حکومت فیصلہ کردے کہ جس قدر طالبِ علم پڑھ رہے ہیں سب کو پندرہ پندرہ روپے ملیں گے جو پرائمری پاس ہو اُسے بھی پندرہ روپے ملیں گے، جو پرائمری فیل ہو اُسے بھی پندرہ روپے ملیں گے، جو ایم۔اے پاس ہو اُسے بھی پندرہ روپے ملیں گے اور جو انٹرنس پاس ہو اُسے بھی پندرہ روپے ملیں گے تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ پیدا ہوگا کہ دماغ کی کاوش، محنت اور جوش سب ختم ہو جائے گا اور ایک عام انسان کہے گا مجھے محنت کی کیا ضرورت ہے۔ میرا دوست روز سینما دیکھتا ہے مَیں بھی کیوں سینما نہ دیکھا کروں اور کیوں ایم۔اے بننے کی کوشش کروں۔ ایف۔اے تک ہی تعلیم حاصل کر کے کیوں نہ ختم کردوں۔ جب مجھے آخر میں پندرہ روپے ہی ملنے ہیں تو زیادہ تعلیم حاصل کرنے اور زیادہ جدّوجہد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی نکلے گی جنہیں علم سے ذاتی شغف ہو اور جنہیں اگر مار پیٹ کر بھی تعلیم سے ہٹانا چاہیں تو وہ نہ ہٹیں۔ زیادہ تر ایسے لوگ ہی نکلیں گے جو ان حالات میں تعلیم سے دلچسپی لینا ترک کر دیں گے اسی طرح ہر فن کے لوگ اپنے اپنے فن میں دلچسپی لینا ترک کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ انسانی دماغ گِرنا شروع ہو جائے گا اور وہ خواص جو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں مٹ جائیں گے۔

یہ مت سمجھو کہ باپ کے خواص بیٹے میں منتقل نہیں ہو سکتے کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ جو لوگ

اچھے حساب دان ہوں اُن کی اولاد میں عام طور پر اچھے حساب دان پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص جس فن کا ماہر ہو وہ فن بِالعموم ورثہ کے طور پر اُس کی اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اِسی وجہ سے بعض خاندان اور بعض اقوام خاص خاص علوم اور خاص خاص فنون میں ماہر سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً اٹلی میں اچھے مصوّر اور اچھا باجا بجانے والے پائے جاتے ہیں، کشمیری کھانا پکانے کا فن اور خوشخطی کا فن خوب جانتے ہیں، یہی حال بعض اَور قوموں کا ہے۔ یہ چیز نسلی طور پر بھی ترقی کرتی ہے۔ چنانچہ جو شخص بہادر ہو اُس کا بیٹا بِالعموم بہادر ہی ہوتا ہے پنجابی میں اِسے **تُخمِ تأثیر** کہتے ہیں۔ اور سائنس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اخلاق کے ذرّات خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے، نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ جس قسم کے اخلاق کسی انسان میں پائے جاتے ہیں اُسی قسم کے ذرّے اُس کی نسل میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ شجاعت، صداقت، عفّت، علم سے شغف یا اسی قِسم کے اَور اَخلاق نسلوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ذرّات کبھی دوسری پُشت میں، کبھی چوتھی پُشت میں اور کبھی آٹھویں یا دسویں پُشت میں ظاہر ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ ذرّات اُس کے کسی پڑدادا بلکہ نکڑ دادا میں پائے جاتے تھے۔ پنجابیوں نے اسی سے **تُخمِ تأثیر** کا اصل نکالا ہے۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ صحبت کا اثر بھی بہت بڑا ہوتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ نسلاً بعد نسلٍ بعض اخلاق وصفات منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں مگر یہ چیز قدرتی طور پر اُن قوموں میں بہت کم ہو جائے گی جن پر بالشویک تحریک کا اثر ہو کیونکہ ترقی کے لئے وسعتِ خیال کے مادہ کا ہونا اور کسی محرّک کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور اس تحریک میں اس محرّک کو بہت کمزور کر دیا گیا ہے۔

کمیونزم کا دوسرا نقص یعنی جبر و اِکراہ اور اس کا نتیجہ

دوسرا نقص اِس تحریک میں یہ ہے کہ جبر کا دروازہ کھول کر فساد کو جاری کر دیا گیا ہے۔ اگر اس تحریک کے بانی یہ کرتے کہ آہستگی سے اُمراء کو عادی بنا کر اُن سے دولت لے لیتے تو اس میں کوئی حرج نہ تھا مگر انہوں نے یکدم اُن کی دولت کو لُوٹ لیا اور وہ جو ہر وقت نوکروں کے جمگھٹے میں رہتے تھے انہیں اس سے محروم کر دیا۔ گویا دوسرے لفظوں میں ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ انہیں محلّات سے اُٹھا کر چوہڑوں کے مکانوں میں بھیج دیا۔ اس قسم کے تغیرات کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فساد شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ہر تغیر سے پہلے اُس کے مناسبِ حال ماحول پیدا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اچھا باغبان جب کسی

درخت کو اُکھیڑتا ہے تو مناسب ماحول میں اُکھیڑتا اور مناسب ماحول میں ہی دوسری جگہ لگاتا ہے اگر اِس کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ درخت کبھی پھل نہیں لاسکتا۔ اِس تحریک میں چونکہ اِس اصل کو مدّ نظر نہیں رکھا گیا اس لئے نتیجہ یہ ہؤا کہ پُرانے اُمراء بھاگ بھاگ کر دوسرے ملکوں میں چلے گئے اور وہاں کے رہنے والوں کو روس کے خلاف اُکسانے لگ گئے۔ کبھی امریکہ کو کبھی انگلستان کو اور کبھی فرانس کو تاکہ وہ اِن ملکوں کو اُکسا کر روس کے خلاف کھڑا کردیں اور اس طرح اگر وہ خود تباہ ہوئے ہیں تو روس بھی تباہ ہو جائے۔

کمیونزم کا تیسرا نقص یعنی مذہب کی مخالفت اور اِس کا نتیجہ

تیسرے انہوں نے مذہب کی مخالفت کر کے سب مذہبی دُنیا کو اپنا مخالف بنالیا ہے۔ یہ لازمی بات ہے کہ جو لوگ مذہب سے محبت رکھنے والے ہونگے وہ اس تحریک کے کبھی حامی اور مؤیّد نہیں ہوں گے۔

کمیونزم کا چوتھا نقص یعنی مُلک میں ڈکٹیٹری کی ترویج

چوتھے انہوں نے ڈکٹیٹری کے لئے رستہ کھولا ہے۔ بے شک یہ لوگ اصولاً اقتدارِعوام کے حامی ہیں مگر جیسا کہ مَیں ابھی بتا چکا ہوں وہ شروع میں ہی یہ اقتدار عوام النّاس کو سونپنے کے لئے تیار نہیں بلکہ کہتے ہیں ابتداء میں ڈکٹیٹر شپ ضروری چیز ہے مگر اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ لینن کے بعد سٹالن ڈکٹیٹر بن گیا، سٹالن[۶] کے بعد مولوٹوف[۷] بن جائے گا پھر کسی اَور ٹوف کی باری آجائے گی۔ اِس طرح یہ تحریک عملی رنگ میں ڈکٹیٹری کے لئے راستہ کھولنے والی ہے۔

کمیونزم کا پانچواں نقص یعنی علم کے راستہ میں رُکاوٹ

پانچواں اِس تحریک کا ایک لازمی نتیجہ علم کے راستہ میں رُکاوٹ کا پیدا ہونا ہے۔ اِس رنگ میں بھی کہ جب ہر شخص کو پندرہ پندرہ یا بیس بیس روپے ملیں تو عِلمی ترقی کی تڑپ اُس کے دل میں نہیں رہ سکتی اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ خواہ مَیں تھوڑا عِلم حاصل کروں یا بہت جب مجھے معاوضہ میرے گذارہ کے مطابق مِل جائے گا تو مَیں زیادہ علم کیوں حاصل کروں۔ اور اِس رنگ میں بھی کہ دماغی اور علمی ترقی کے لئے دوسرے ملکوں میں جانا اور ان کے حالات کا دیکھنا ضروری ہوتا ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ وہی قومیں دُنیا میں ترقی کیا کرتی ہیں جن کے افراد کثرت سے غیر ملکوں میں جاتے اور وہاں سے مفید معلومات

حاصل کرتے ہیں۔ اگر چند مخصوص آدمی غیر ممالک کی سیر کے لئے جائیں تو وہ کبھی بھی وہ معلومات حاصل نہیں کر سکتے جو مختلف ممالک اور مختلف اقوام کے لوگ غیر ممالک میں جا کر حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے دماغ میں مختلف قسم کی قابلیتیں رکھی ہیں۔ کسی بات میں چینی دماغ اچھا کام کرتا ہے، کسی بات میں جاپانی دماغ اچھا کام کرتا ہے، کسی بات میں ایرانی دماغ اچھا کام کرتا ہے، کسی بات میں فرانسیسی دماغ اچھا کام کرتا ہے اور کسی بات میں ہندوستانی دماغ اچھا کام کرتا ہے۔ ڈھاکہ کی ململ بڑی مشہور تھی جو یہاں کے جولاہے تیار کیا کرتے تھے۔ انگریزوں نے بڑی بڑی مشینیں نکالیں اور اچھے سے اچھے کپڑے تیار کئے مگر ڈھاکہ کی ململ وہ اب تک نہیں بنا سکے۔ اِسی طرح مصری لوگ ممی بنانے میں بڑے مشہور تھے۔ اب بظاہر انگریز اور فرانسیسی علم میں بہت بڑھے ہوئے ہیں مگر سارا زور لگانے کے باوجود وہ اب تک ویسا مصالحہ تیار نہیں کر سکے جو مصری تیار کیا کرتے تھے۔ مَیں نے خود ممی کی ہوئی لاشیں دیکھی ہیں ایسی تازہ معلوم ہوتی ہیں گویا ابھی انہوں نے دَم توڑا ہے حالانکہ انہیں فوت ہوئے کئی کئی ہزار سال گزر چکے ہیں یہاں تک کہ اُن کے جسم کی چکنائی تک صاف نظر آتی ہے اِس کے مقابلہ میں اب جو لاشوں کی حفاظت کے لئے مصالحہ لگایا جاتا ہے وہ تھوڑے عرصہ میں ہی خراب ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو یہ مصریوں کے دماغ کی ایک ایجاد تھی جس کا اب تک لوگ پتہ نہیں لگا سکے۔ اِسی طرح دہلی میں ایک حمام تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس کے نیچے ایک دِیا جلا کرتا تھا اور اُس دِیے کی وجہ سے وہ حمام ہمیشہ گرم رہتا۔ کہتے ہیں جب دہلی میں انگریزوں کا تصرّف بڑھا تو انہوں نے کہا ہم اسے توڑ کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ حمام کس طرح ایک دِیے سے گرم ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے اُسے توڑ دیا مگر پھر دوبارہ اُن سے ویسا نہیں بن سکا۔ تو مختلف دماغ مختلف کاموں سے شغف رکھتے ہیں جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ایک کے دماغ کو دوسرے سے روشنی ملتی ہے اور اِس طرح ذہنی اور علمی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جب ہم کسی زمیندار کے پاس بیٹھتے اور اس سے باتیں کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کیا کیا خصوصیات ہیں، بڑھئی کے پاس بیٹھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس بڑھئی کی کیا کیا خصوصیات ہیں اور اُن سے مِل کر اور باتیں کر کے ہمیں کئی نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور ہماری رُوح میں بھی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اِسی طرح جب ہم کشمیر یا یُو۔ پی میں چلے جاتے ہیں تو ہمیں نیا علم حاصل ہوتا ہے اِسی لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سِیْرُوْا

فِی الۡاَرۡضِ[8] یعنی اگر تمہیں توفیق ملے تو تم دُنیا کی سَیر کیا کرو تا کہ تمہاری معلومات میں اضافہ ہو اور تمہاری دماغی اور علمی ترقی ہو۔ جب کوئی شخص عرب جائے گا تو ایک طرف وہ سمندر کی سَیر کا لُطف اُٹھائے گا، دوسری طرف وہ اِس سفر میں ایران اور عراق اور دوسرے کئی ملکوں کو دیکھ لے گا اور اِس طرح بہت سی مفید معلومات حاصل کرلے گا لیکن اگر سارے ملک کے لوگوں کو ایک جیسے پیسے ملیں، ایک جیسا نمک اور ایک جیسا مرچ مصالحہ ملے تو وہ غیر ملکوں کی سَیر کے لئے کس طرح جاسکتے ہیں۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ کوئی مالدار ہوتا تھا اور کوئی غریب۔ مالدار سَیر کے لئے غیر ممالک میں چلے جاتے تھے لیکن اِس تحریک کے بعد جب سب کو ایک معیار پر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کی مالی حالت ایسی ہوگی کہ سب کو صرف گذارہ کے مطابق اخراجات ملیں گے تو وہ غیر ملکوں کی سیاحت کِس طرح کریں گے اور جب سیاحت نہیں کریں گے تو علمی ترقی کا یہ دروازہ اُن پر بند ہو جائے گا حالانکہ ترقی کے لئے ضروری ہے کہ کچھ جماعتیں ایسی ہوں جو اپنا فارغ وقت اس کام میں صرف کریں کہ غیر ملکوں میں جائیں، سَیر یں کریں اور وہاں کے اچھے خیالات اپنے ملک میں پھیلائیں۔

وہ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کے کارندے ایسے سفر کر سکتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ حکومت کے افراد جو سیاست میں اچھے ہوں وہ سیاحت میں بھی اچھے ہوں۔ اگر عام لوگ غیر ملکوں کی سَیر کے لئے جائیں تو وکیل اپنے دماغ کی مناسبت کے لحاظ سے کوئی جِنس لے آئے گا، ڈاکٹر اپنے دماغ کی مناسبت کے لحاظ سے کوئی جِنس لے آئیگا، انجینئر اپنے دماغ کی مناسبت کے لحاظ سے کوئی جِنس لے آئے گا، مصوّر اپنے دماغ کی مناسبت سے کوئی جِنس لے آئے گا، شاعر اپنے دماغ کی مناسبت سے کوئی جِنس لے آئے گا، اِسی طرح کوئی مذہبی لیڈر جائے گا تو وہ اپنے دماغ کی مناسبت سے کوئی جِنس لے آئے گا لیکن قونصل خانہ کے سیاسی دماغ کیا لائیں گے؟ وہ تو اپنے ماحول میں محدود ہوں گے اور اِس وجہ سے اُن کی نظر بھی نہایت محدود ہوگی وہ تو اگر لائیں گے تو چند چیزیں ہی لائیں گے اور اِس طرح ان کی وجہ سے ملک کو وہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا جو عام لوگوں کی سیاحت سے پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ حکومت خود اپنے خرچ پر عام لوگوں کو اِس غرض کے لئے بھیج سکتی ہے تو سوال یہ ہے کہ اِس طرح پھر تفرقہ پیدا ہو جائے گا اور عدمِ مساوات کا وہ اصول قائم ہو جائے گا جس کو توڑنے کے لئے یہ تحریک جاری کی گئی تھی اور یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا زید کا دل امریکہ جانے کو چاہتا ہے اور بکر کا دِل

نہیں چاہتا۔ انصاف تو پھر بھی رہ جائے گا اور اِس طرح جو کچھ کیا جائیگا اِس تحریک کی اصل رُوح کے خلاف کیا جائے گا۔

کمیونزم کا چھٹا نقص یعنی قومی افتراق

چھٹے اِس تحریک کے نتیجہ میں قوم کے کئی ٹکڑے ہوجائیں گے اور امیروں کا قتل شروع ہوجائے گا۔

کمیونزم کا ساتواں نقص

ساتویں بالشویک اصول میں ایک اَور بڑی غلطی یہ ہے کہ اِس کا زوال نہایت خطرناک ہوگا۔ دوسری تحریکات میں تو یہ ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ مرتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا بادشاہ تختِ حکومت پر بیٹھ جاتا ہے، ایک پارلیمنٹ ٹوٹتی ہے تو دوسری پارلیمنٹ بن جاتی ہے لیکن بالشویک تحریک میں اگر کبھی کمزوری آئی تو یہ یکدم تباہ ہوگی اور اِس کی جگہ زارہی آئے گا کوئی دوسری حکومت نہیں آئے گی کیونکہ اس میں نیابت کی کوئی صورت نہیں جیسے دوسری تحریکات میں ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ قابلیت کو مٹا دیا گیا ہے اور جب قابلیت کو مٹا کر دماغ کو نیچا کر دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جب تنزّل ہوگا تو اُس وقت کوئی ایسا دماغ والا نہیں ہوگا جو اِس تنزّل کو دُور کر سکے۔ پس جب یہ تحریک گرے گی کُلّی طور پر گرے گی جیسا کہ فرانس میں ہوا کہ جب فرانس کے باغیوں میں تنزّل پیدا ہوا تو اُن کی جگہ نپولین جیسے کامُل الِاقتدار آدمی نے لی خود جمہور میں سے جمہوریّت کا کوئی دِلدادہ یہ جگہ نہ لے سکا۔

نیشنلسٹ سوشلزم اور اس کے نقائص

تیسری تحریک نیشنلسٹ سوشلزم کی ہے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ غرباء کو کچھ حقوق تو ضرور دیئے جائیں لیکن فردی جو ہر کو بھی کُچلا نہ جائے اور چونکہ اس تحریک کے حامی فردی جوہر کو اپنی اقوام سے مخصوص سمجھتے ہیں اِس لئے ان کی پالیسی یہ ہے کہ جرمن اور رومی اور ہسپانوی غریبوں کو تو اُبھارا جائے لیکن باقی اقوام کو دبا کر اُن کی دولت سے جرمن، رومی اور ہسپانوی باشندوں کو مالا مال کیا جائے۔ اب اِس آخری تحریک میں جاپان بھی آکر شامل ہوگیا ہے۔ اِس تحریک کے اصولی نقائص یہ ہیں۔

پہلا نقص

اوّل یہ تحریک چند اقوام کی بہتری کے حق میں ہے ساری دُنیا کی بہتری کے حق میں نہیں ہے۔

دوسرا نقص دوم اس تحریک میں بھی رُوحانی سُکھ یعنی مذہب کے لئے کوئی راستہ نہیں رکھا گیا بلکہ یہ بھی مذہب پر کئی قِسم کی پابندیاں عائد کرتی ہے حالانکہ وہ مذہب ہی کیا ہے جس پر انسانوں کی طرف سے پابندیاں عائد کی جاسکیں۔ مذہب تو خدا کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے اور وہی اس کی حدود مقرر کرتا ہے۔

تیسرا نقص تیسرے اِس تحریک میں انفرادیّت کو اِتنا اُبھارا گیا ہے کہ ملک کی اجتماعی آواز کو اس کے مقابلہ میں بالکل دبا دیا گیا ہے حالانکہ ہزاروں دفعہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کا دماغ خواہ کتنا ہی اعلیٰ ہو جو بات اس کے دماغ میں آئے اس سے دوسروں کی رائے خواہ اُن کے دماغ اعلیٰ نہ ہوں بہتر ہو اِسی لئے ہماری شریعت نے یہ قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہو جو اہم امور میں مسلمانوں سے مشورہ لے اور جہاں تک ہو سکے اُن کے مشورہ کو قبول کرے ہاں اگر کوئی اختلاف ایسا اہم ہو جس میں وہ یہ سمجھتا ہو کہ اگر مَیں نے اِس وقت عام لوگوں کی رائے کی تقلید کی تو ملک اور قوم کو نقصان پہنچے گا تو اُس وقت وہ ان کے مشورہ کے خلاف بھی فیصلہ کرسکتا ہے۔ بہر حال اسلام کے طریق کے مطابق دونوں اُمور کو بیک وقت ملحوظ رکھ لیا جاتا ہے۔ ایک طرف عوام کی رائے لی جاتی ہے اور دوسری طرف جو دماغ اعلیٰ ہو اُسے اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ موازنہ کرلے اور جو مشورہ قوم اور ملک کے لئے مُہلک ہو اُسے قبول نہ کرے باقی مشوروں کو قبول کرلے۔ مگر نیشنلسٹ سوشلزم کی تحریک میں انفرادیت پر حد سے زیادہ زور دیا گیا ہے حالانکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سارا گاؤں غلطی پر ہوتا ہے اور ایک بڈھا زمیندار صحیح بات کہتا ہے اور کبھی بڈھا غلطی پر ہوتا ہے اور نوجوان صحیح بات کہہ رہے ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ سب اِفراط اور تفریط کی طرف نکل گئے ہیں۔

موجودہ جنگ اور اِس کا نتیجہ موجودہ جنگ اِسی باہمی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ روس والے چاہتے ہیں کہ ہمارا نظریہ قائم ہوجائے اور وہ حالات جو روس میں پیدا ہیں وہی باقی تمام ممالک میں پیدا ہوجائیں اور انگلستان، فرانس اور امریکہ والے سوشلسٹ کہتے ہیں کہ جو دَولتیں ہم کھینچ چکے ہیں وہ ہمارے ہاتھ میں ہی رہیں جرمن، روم، جاپان اور ہسپانیہ والوں کے ہاتھ میں نہ چلی جائیں۔ پہلی لڑائی سوشلزم اور نیشنل سوشلزم کے درمیان ہوئی۔ سوشلزم والوں نے اِس لئے جنگ کی کہ ان کے موجودہ اقتدار میں فرق نہ آئے اور نیشنل سوشلزم والوں نے اِس لئے حملہ کیا کہ صاحبِ اقتدار لوگوں کی دولت کھینچ کر

اپنے ملک میں لے آئیں۔ تیسری تحریک بالشوزم کی تھی۔ جرمن والوں نے ہوشیاری کر کے اِس موقع پر روس سے سمجھوتہ کر لیا اور اُسے یہ دھوکا دیا کہ اگر برسرِ اقتدار طاقتوں کو زوال آیا تو بالشویک بھی اس لُوٹ میں حصّہ دار ہوں گے۔ بالشویکس اِس دھوکا میں آ گئے اور انہوں نے نیشنلسٹ سوشلزم والوں سے سمجھوتہ کر لیا لیکن جب فرانس کا زور ٹُوٹ گیا اور اِدھر مشرقی ممالک کو شکستیں ہونی شروع ہوئیں تو ہٹلر نے کچھ ضروریاتِ جنگ کی وجہ سے اور کچھ اِس خیال سے کہ انگلستان پر فوری حملہ تو کیا نہیں جا سکتا اگر سپاہی بیٹھے رہے تو گھبرا جائیں گے اور کچھ اِس خیال سے کہ اب مقابلہ کرنے والا تو کوئی ہے نہیں، لگے ہاتھوں بالشوزم کا بھی خاتمہ کر دیں اُس نے روس پر حملہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ بالشوزم برسرِ اقتدار (اتحادی) حکومتوں سے مِل گئی اور اب دو تحریکیں ایک طرف ہیں اور ایک تحریک ایک طرف۔ اگر نیشنلسٹ سوشلزم والے جیتے تو جرمن، اٹلی، ہسپانیہ اور جاپان کے غرباء کو تو ضرور فائدہ پہنچے گا مگر باقی اقوام کے غرباء کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جائے گی۔ گویا چار مُلکوں سے غُربت مٹے گی اور سینکڑوں ملکوں میں پہلے سے بھی زیادہ قائم ہو جائے گی۔ اور اگر دوسرا فریق جیتا تو دُنیا کا کچھ حصّہ سوشلزم کے اثر کے ماتحت نسبتی سیاسی آزادی حاصل کر لے گا، کچھ حقوق ہندوستان کو بھی مِل جائیں گے لیکن جہاں تک تجارتی اور اقتصادی آزادی کا سوال ہے اس کے لئے ان ممالک کو لمبی جدّوجہد کرنی پڑے گی کیونکہ اس آزادی میں روک نہ صرف قدامت پسند اور لِبْرل جماعتیں ہوں گی بلکہ معاشرتی معیار کے گِر جانے کے ڈر سے سوشلسٹ جماعتوں سے بھی دوسرے ممالک کا مقابلہ ہوتا رہے گا مگر جہاں تک نسبت کا سوال ہے ان لوگوں کے جیتنے سے دوسرے ممالک کی حالت یقیناً اس سے زیادہ اچھی ہو گی جو نیشنل سوشلسٹ کے غلبہ کی صورت میں ہو سکتی ہے۔

موجودہ جنگ میں انگریزوں کی فتح سے ہندوستان کا فائدہ اِس بارہ میں میری جو کچھ رائے ہے اور جسے میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر جرمنی جیتا تو ہمارے ملک کی حالت پہلے سے بہت زیادہ خراب ہو جائے گی اور اگر انگریز جیتیں تو ہمارے ملک کی حالت پہلے سے یقیناً اچھی ہو جائے گی۔ عام طور پر ہمارے ملک میں خیال کیا جاتا ہے کہ جب غلام ہی بننا ہے تو خواہ اِن کے غلام بنے یا اُن کے اِس میں فرق ہی کیا ہے مگر یہ بات درست نہیں۔ اور اس کی تائید میں ایک بہت بڑی دلیل جس کو مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں یہ ہے کہ یہ

(اتحادی) طاقتیں بہت مدّت تک اقتصادی اقتدار حاصل کرنے کی وجہ سے اب اس قوّتِ اقدام کو کھو بیٹھی ہیں جو لازماً نئی بڑھنے والی قوموں میں پائی جاسکتی ہے۔ پس نئی اُبھرنے والی اقوام کا سلوک دوسرے ممالک کے لوگوں سے بُھوکے جاٹ والا ہوگا اور برسرِ اقتدار حکومتوں کا ایک بوڑھے تاجر جیسا۔ جو تاجر بہت سا روپیہ کمالیتا ہے کنجوس تو وہ بھی ہوتا ہے اور وہ بھی اپنے مال میں اَور زیادتی کا طالب رہتا ہے لیکن وہ اس پر بھی خوش ہوتا ہے کہ موجودہ حالت ہی قائم رہے اور کبھی کبھی اُس کے دل میں یہ خیال بھی آجاتا ہے کہ اَب مَیں نے بہت کمالیا ہے اب مَیں اپنے کام سے پنشن لے لُوں۔ پس یہ جو برسرِ اقتدار حکومتیں ہیں ان میں اب اتنا جوش نہیں جتنا نئی حکومتوں میں جوش ہوسکتا ہے چنانچہ دیکھ لو کہاں انگلستان ہے اور کہاں انگریز لوگ چین کے کناروں تک حکومت کر رہے ہیں۔ اِسی طرح امریکہ کا اقتصادی اقتدار تمام دُنیا پر چھایا ہوا ہے اور اب ان کا پیٹ اِتنا بھرا ہوا ہے کہ چلنا پھرنا بھی ان کے لئے مشکل ہو رہا ہے اور جو شخص اِس قدر سیر ہو وہ ظلم نہیں کرتا یا کم کرتا ہے۔ اِس کی مثال تم ایسی ہی سمجھ لو کہ جس شخص کا پیٹ بھرا ہوا ہو اُس کے سامنے اگر تم پلاؤ بھی رکھو تو وہ دو چار لُقمے لے کر بس کر دے گا لیکن اگر وہی پلاؤ کی تھالی کسی بُھوکے کے سامنے رکھو تو وہ نہ صرف یہ پلاؤ ہی کھا جائے گا بلکہ ممکن ہے کہ تمہارا کھانا بھی کھا جائے۔ جرمن اور رومی اور ہسپانوی اِس وقت بُھوکے ہیں اس لئے اگر ان کا اقتدار آیا تو وہ کچھ مدّت تک خوب بڑھ بڑھ کر ہاتھ ماریں گے اور مال ودَولت کو لُوٹتے چلے جائیں گے جیسے ہندوستان جب انگریزوں کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے بھی ہندوستان کی اقتصادی حالت پر خوب قبضہ جمایا تھا۔ یہی خواہش جرمن اور رومی لوگوں کی ہوگی وہ بھی کہیں گے کہ اب ہم نے اِن کانوں پر قبضہ کیا ہے اب ہم بھی یہاں کے تیل اور سونے اور دوسری چیزوں سے فائدہ اُٹھائیں اور سَو ڈیڑھ سَو سال تک وہ ایسا کرتے چلے جائیں گے مگر انگریزوں کی مثال بُوڑھے تاجر کی سی ہے جو بڈھا ہوجاتا ہے، مال بڑھانے کی خواہش تو بے شک اس کی طبیعت میں موجود ہوتی ہے مگر کبھی کبھی اسے یہ بھی خیال آجاتا ہے کہ دولت بہت کمالی ہے اب پنشن لے لینی چاہئے۔ اسی طرح اِن قوموں کے دلوں میں بھی کبھی زیادہ طلبی کا خیال آجاتا ہے مگر کبھی یہ خیال بھی آجاتا ہے کہ ہم نے بہت کمالیا اب قناعت کرنی چاہئے۔ اسی طرح اگر انہیں کبھی ظلم کا خیال پیدا ہوتا ہے تو کبھی رحم کا خیال بھی آجاتا ہے اور جن لوگوں کی دماغی حالت اِس قسم کی ہو اُن سے یقیناً زیادہ آرام حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ

حکومت کر کے تھک چکے ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ اقوام مذہب میں دخل اندازی کو پسند نہیں کرتیں اور سوائے کسی اشدّ سیاسی یا اقتصادی ضرورت کے مذہب کے بارہ میں مخفی دباؤ کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ اور اگر کوئی خدا ہے اور اُس کی طرف سے رسول دنیا میں آتے رہے ہیں اور اگر اُن کی تعلیمات پر عمل ہماری اُخروی زندگی کو سنوارنے کے لئے ضروری ہے تو پھر باوجود اِس کے کہ ان اقوام کا طریقِ عمل بھی پورا مُنصفانہ نہیں بلکہ ایک حد تک خودغرضانہ ہے، ہر مذہب کا دِلدادہ شخص ان اقوام کی فتح کو نیشنلسٹ سوشلزم والوں کی فتح پر بہت زیادہ ترجیح دے گا۔

انگریزوں کی فتح کے نتیجہ میں بالشوزم کی فتح اور اس کا نتیجہ

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ موجودہ حالات میں اِن اقوام کی فتح کے ساتھ بالشوزم کی فتح بھی ضروری ہے اور بالشوزم مذہب کی نیشنلسٹ سوشلزم والوں سے بھی زیادہ دشمنی ہے۔ پس یقیناً ان کی فتح سے گو دُنیا کو نیشنلسٹ سوشلزم کے خطرہ سے نجات ہو گی مگر ایک نئی رسّہ کشی مذہب اور لا مذہبیت میں شروع ہو جائے گی۔

غرباء کی حالت سُدھارنے کیلئے مختلف مذاہب کی تدابیر

مَیں نے اِس وقت تک دُنیوی تحریکات کا ذکر کیا ہے اَب مَیں اُن تدبیروں کا ذکر کرتا ہوں جو مختلف مذاہب کے پیرو دُنیا کے ایک نئے نظام کی تکمیل کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ ان مذاہب میں سے سب سے بڑے مذہب یہ ہیں۔ ہندو، مسیحی، یہودی، اور اسلام۔ اِس وقت اگر اِن تمام مذاہب کے پَیرووں کا جائزہ لیا جائے تو ہر مذہب کا پیرو یہ دعویٰ کرتا سُنائی دے گا کہ وہی مذہب سب سے اعلیٰ ہے جس کا وہ پیرو ہے اور اسی کی تعلیم دُنیا کے دُکھ اور درد کو دُور کر سکتی ہے۔ ہندو کہتے ہیں ہم ایک دن میں اوم کا جھنڈا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) مکّہ معظّمہ پر گاڑیں گے، یہودی کہتے ہیں یہودیّت کی تعلیم ہی سب سے اعلیٰ ہے، عیسائی کہتے ہیں ہمارے یسوع مسیح نے جو کچھ کہا وہی قابلِ عمل ہے، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں میں بھی جوش ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتے اور بجا طور پر کرتے ہیں کہ اسلام ہی تمام دُکھوں اور دردوں کا کامیاب علاج پیش کرتا ہے۔ بہرحال بڑے مذاہب یہی ہیں۔ ہندو، مسیحی، یہودی اور اسلام۔ مَیں اِس وقت نماز روزہ کی طرف نہیں جا رہا بلکہ مَیں یہ مضمون بیان کر رہا ہوں کہ دُنیا فاقے سے مَر رہی ہے۔ دُنیا نے اسکے علاج کے لئے بعض تحریکات جاری کی

ہیں اِن دُنیوی تحریکات کے مقابلہ میں مذاہب اِسکے متعلق کیا نظریہ پیش کرتے ہیں اور وہ کونسا نیا نظام ہے جو یہ مذاہب دُنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اِس غرض کے لئے مَیں سب سے پہلے یہودیّت کو لے لیتا ہوں۔

یہودیّت میں نئے نظام کی شکل اور اِس کا نتیجہ

یہودیّت دُنیا کے لئے جو نظام پیش کرتی ہے وہ محض قومی ہے اُس میں کوئی بات عالمگیر نہیں۔ مثلاً یہودیّت کہتی ہے کہ یعقوبؑ کی اولاد ہی خدا کو پیاری ہے باقی سب اس کی غلامی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اگر اِس مذہب کی کسی وقت دُنیا پر حکومت ہو جائے تو یقیناً اِس تعلیم کے ماتحت ظلم بڑھے گا گھٹے گا نہیں۔ یا مثلاً یہودیّت کہتی ہے تُو اپنے بھائی سے سُود نہ لے اور اسے چھوڑ کر جس سے چاہے سُود لے لے[9]۔ اب اگر سُود لینا بُرا ہے تو وجہ کیا ہے کہ ایک یہودی سے نہ لیا جائے اور غیر یہودی سے لے لیا جائے۔ اس کی وجہ بجز اِس کے اَور کچھ نہیں کہ یہودیّت ایک قومی مذہب ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اَوروں سے بے شک لے لو مگر اپنوں سے نہ لو۔ پس اس مذہب کو اگر دُنیا پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ اَور سب سے ٹیکس وصول کرے گی اور یہودیوں میں اس کو تقسیم کر دے گی۔ اِسی طرح یہودیت صدقہ وخیرات کا تو حکم دیتی ہے مگر کہتی ہے صدقہ وخیرات صرف اپنے ہی ہم قوموں کے لئے ہو۔ اب اگر کوئی یہودی بادشاہ ہو تو اِس تعلیم کے ماتحت جتنے ٹیکس ہوں گے سب یہودیوں کو ملیں گے۔ اِسی طرح یہودیّت یہ نہیں کہتی کہ تُو کسی کو غلام نہ بنا بلکہ وہ کہتی ہے اپنے بھائی کو ہمیشہ کے لئے غلام نہ بناؤ گویا اوّل تو اپنے بھائی کو غلام بناؤ ہی نہیں اور اگر بناؤ تو ہمیشہ کے لئے نہ بناؤ۔ اِس کے متعلق یہودی مذہب میں یہ حکم ہے کہ ہر غلام ساتویں سال آزاد کر دیا جائے[10]۔ اگر کوئی شخص ساتویں سال کے معاً بعد کوئی غلام خریدے تو اس تعلیم کے ماتحت وہ چھ سال کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ اگر ایک سال گزر چکا ہو تو وہ پانچ سال کے بعد آزاد ہو جائے گا، دو سال گزر چکے ہوں تو چار سال کے بعد آزاد ہو جائے گا، تین سال گزر چکے ہوں تو تین سال کے بعد اور اگر چار سال گزر چکے ہوں تو دو سال کے بعد آزاد ہو جائے گا اور اگر کوئی چھٹے سال کسی غلام کو خریدے تو وہ اگلے سال خود بخود آزاد ہو جائے گا[11]۔ گویا زیادہ سے زیادہ سات سال تک ایک یہودی کو غلام بنایا جا سکتا ہے اِس سے زیادہ عرصہ کسی کو غلام بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔ باقی دُنیا کے لوگ خواہ ساری عمر غلام رہیں اس کی یہودیّت کوئی پرواہ

نہیں کرتی۔ پھر یہودیّت کی تعلیم میں ایک اَور بات یہ پائی جاتی ہے کہ وہ غیر قوموں کے ساتھ بہت سخت سلوک کرنے کا حکم دیتی ہے۔ چنانچہ توریت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:-

''جب تُو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر تب یُوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اُس شہر میں پائی جاوے تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تُو اُس کا محاصرہ کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تُو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اُس شہر میں ہو اُس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے۔ اور تُو اپنے دشمنوں کی اس لُوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے کھائیو۔ اسی طرح سے تُو ان سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں، کیجیو[۱۲]۔''

یہ تو غیر ملکوں کے متعلق حکم ہے کنعان کی سرزمین جو موعود سرزمین تھی اس کے متعلق یہ حکم نہیں بلکہ وہاں کے متعلق یہ حکم ہے کہ:-

''اُن قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تُو اُن کو حرام کیجیو۔''

یہ نظام ہے جو یہودیت پیش کرتی ہے۔ اگر یہودیت برسراقتدار آجائے تو ہر مرد مارا جائے گا، ہر عورت اور بچے کو غلام بنایا جائے گا اور کنعان میں بسنے والے عیسائی مرد اور عورتیں اور بچے تو کیا وہاں کے گھوڑے اور گدھے اور کُتّے اور بلیاں اور سانپ اور چھپکلی سب مارے جائیں گے کیونکہ حکم یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو سانس لیتی ہو اُس کو جان سے مار دیا جائے۔ اس نظام کے ماتحت یہودیوں کو تھوڑا بہت آرام میسّر ہو تو ہو اور قومیں تو بالکل تباہ ہو جائیں گی۔

عیسائیت کا دنیا کے لئے پیغام

عیسائیت کا پیغام دنیا کے لئے صرف یہی ہے کہ شریعت ایک لعنت ہے[۱۳] جب شریعت لعنت ہے تو پھر اس کا جو بھی پیغام ہے وہ لعنت ہے، عیسائیت صرف محبت کی تعلیم دیتی ہے جس پر خود عمل نہیں کرتی۔ اگر اس کی محبت کی تعلیم پر کوئی عمل کرنے والا ہوتا تو آج یورپ میں لڑائیاں کیوں ہوتیں۔ شریعت کو لعنت قرار دے کر دنیا کے لئے کوئی معیّن پروگرام پیش کرنا مسیحیت کے لئے

ناممکن ہے کیونکہ جو بھی پروگرام ہوگا وہ لعنت ہوگا اور اس پر عمل لوگوں کی مشکلات کو بڑھائے گا کم نہیں کرے گا۔ پھر یہ عجیب بات ہے کہ اس کے نزدیک خدا کی شریعت خواہ وہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو لعنت ہے لیکن بندوں کی تعزیرات خواہ کتنی بڑی ہوں رحمت ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ پیدا ہؤا ہے کہ دنیا میں جو مسیحی قوم بھی غالب ہو اُس کے مقاصد کو مسیحی مقاصد کہا جاتا ہے۔ جو فلسفہ غالب آجائے وہ مسیحی فلسفہ ہوتا ہے اور جو تمدن غالب آجائے وہ مسیحی تمدن ہوتا ہے۔ اگر جرمن غالب ہؤا تو وہ کہہ دیں گے کہ کرسچن سوشلزم غالب آگیا۔ اگر انگلستان غالب ہؤا تو کہہ دیں گے کہ کرسچن سوشلزم غالب ہؤا، اگر یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ والے جیتے تو کہہ دیں گے کہ کرسچن سوشلزم غالب ہؤا، گویا وہ ہمیشہ کے لئے غالب کے یار بن گئے ہیں اور جو چیز بھی دنیا میں ترقی کرتی ہے اسے کرسچن سویلزیشن (CIVILISATION) کا غلبہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ طلاق نہ دینا مسیحیت کا خاصہ تھا اور اب یہ حالت ہے کہ طلاق دینا مسیحیوں کا خاصہ ہے۔ گویا ان کا مذہب کیا ہے موم کی ناک ہے جس طرح چاہو موڑ لو اِس نے ٹُوٹنا تو ہے ہی نہیں۔ پس مسیحیت بطور مذہب کے دنیا کے سامنے نہ کوئی پروگرام رکھ سکی نہ رکھ سکتی ہے اور نہ رکھ سکے گی۔

ہندو مذہب کے نظریہ کے ماتحت نئے نظام کا قیام ناممکن ہے

ہندو مت نے دنیا کے سامنے تناسخ اور ورنوں کی تعلیم پیش کر کے اپنے لئے اور دوسری اقوام کے لئے امن کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے کیونکہ تناسخ کے ماتحت یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ایسا نیا نظام قائم ہو جس میں غریب اور امیر کا فرق جاتا رہے۔ جب تناسخ کو ماننے والے تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر ایک شخص کو غریب پیدا کیا ہے تو یہ اس کے پچھلے جنم کے اعمال کی سزا ہے تو اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے امیر اور غریب کے امتیاز کو کس طرح مٹایا جا سکتا ہے۔ اس عقیدہ کے ماتحت تو اگر خدا نے کسی کو زار بنایا ہے تو پچھلے جنم کے اعمال کا انعام دینے کے لئے اور اگر کسی کو غریب بنایا ہے تو اسے اس کے اعمال کی سزا دینے کے لئے اب کوئی نہیں جو اس کو بدل سکے۔ پس تناسخ کے ہوتے ہوئے ہندو مت دنیا کی ترقی کے لئے کوئی نیا پروگرام پیش نہیں کر سکتا کیونکہ نیا پروگرام وہی ہو سکتا ہے جو موجودہ حالت کو بدل کر ایک نئی حالت پیدا کر دے اور جب دنیا کی موجودہ حالت پُرانے جنم کے اعمال کا اٹل نتیجہ ہے تو دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے گا کہ یہی حالت دنیا کے لئے

مقدر ہے اور جب یہی حالت دنیا کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے تو کس کی طاقت ہے کہ اس حالت کو بدل سکے۔

دوسرے اس مذہب میں ورنوں کا اصول ہے جس کے ماتحت برہمن کے کام شودر نہیں کرسکتا اور شودر کے کام ویش نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ویش کے کام کشتری نہیں کرسکتا گویا ہر ایک کا الگ الگ دائرہ عمل ہے اور ایک شخص دوسرے کے دائرہ عمل میں دخل نہیں دے سکتا۔ یہ اصول بھی ایسا ہے جس کے ماتحت امیر اور غریب کا امتیاز کبھی مٹ نہیں سکتا کیونکہ نیا نظام جو اِس امتیاز کو دور کرے وہ وہی ہو سکتا ہے جس میں ایک غریب اور کنگال کا بھی خیال رکھا جائے۔ اگر کوئی چوہڑہ یا ساہنسی ہو تو اس کے حقوق کو بھی محفوظ کیا جائے اور ہر شخص کے لئے گورنمنٹ کھانے اور کپڑے کا انتظام کرے۔ اسی طرح غرباء کے لئے مال کا انتظام کرے تاکہ وہ اپنی اور ضروریات پوری کرسکیں۔ مگر منو کہتے ہیں کہ:-

''اگر شودر دھن جمع کرے تو راجہ کا فرض ہے کہ وہ اس سے چھین لے کیونکہ شودر مالدار ہو کر برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔'' [۱۴]

اس قانون کے ماتحت اگر برہمن یا ویش کے پاس دس لاکھ روپیہ ہو اور شودر کو خیال آئے کہ پانچ روپیہ ماہوار مَیں بھی جمع کرلوں اگلے سال بچی کی شادی ہے اُس وقت یہ روپیہ کام آئے گا تو راجہ کا فرض ہے کہ وہ اس سے تمام روپیہ چھین لے کیونکہ وہ شودر ہے اور شودر کا حق نہیں کہ اس کے پاس روپیہ جمع ہو۔ اب بتاؤ اِس اصول کے ماتحت نیا نظام کس طرح قائم ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہ نظام قائم ہو تو اِس کے ماتحت غرباء کی حالت کس طرح سُدھر سکتی ہے۔

اِسی طرح لکھا ہے کہ:-

''اگر برہمن نے ایک نیچ سے قرض لیا لیکن وہ ادا نہیں کرسکتا تو شودر کا فرض ہے کہ وہ برہمن سے کوئی روپیہ نہ لے لیکن اگر شودر نے برہمن کا روپیہ دینا ہو اور شودر غریب ہو تو اونچی ذات والوں کی مزدوری کر کے برہمن کے قرض کو ادا کرے۔'' [۱۵]

گویا اگر برہمن قرض لینے والا ہو اور جس سے قرض لیا گیا ہو وہ نیچ قوم سے تعلق رکھتا ہو تو اگر وہ قرض ادا نہیں کرسکتا تو نیچ قوم والے کا فرض ہے کہ برہمن سے اپنے روپیہ کا تقاضا نہ کرے۔ ایسی صورت میں وہ یہ نہیں کرسکتا کہ عدالت میں برہمن کے خلاف دعویٰ دائر کردے اور اس سے اپنا روپیہ وصول کرے بلکہ اس صورت میں معاملہ کو ختم سمجھنا چاہئے اور شودر کو روپیہ کی وصولی کا خیال اپنے دل

سے نکال دینا چاہیئے۔ لیکن اگر شودر کسی برہمن سے قرض لے بیٹھتا ہے اور پھر ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا تو منو کے احکام کے مطابق اس کا فرض ہے کہ وہ اونچی ذات والوں کی نوکری کرے اور اس طرح قرض کو ادا کرے۔

پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ اس تعلیم کا اثر اور آگے چلتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی کئی بیویاں ہوں تو ایسی حالت میں:-

''ایک کی اولاد جو برہمنی سے ہے وہ اس کی جائداد کے تین حصہ لے اور جو کشترانی سے ہے اُس کی اولاد دو حصے لے اور جو ویشیا ہے اس کی اولاد ڈیڑھ حصہ لے اور شودرانی کی اولاد ایک حصہ لے۔''[۱۶]

اس تعلیم کے ماتحت مرنے والے کی جائداد میں سے برہمنی کی اولاد کو تین حصے، کھترانی کی اولاد کو دو حصے، ویش کی اولاد کو ڈیڑھ حصہ اور شودرانی کی اولاد کو ایک حصہ ملے گا۔ اب بتاؤ اس نظام کے ماتحت وہ ادنیٰ حالت سے اونچے کس طرح ہو سکتے ہیں۔

پھر لکھا ہے کہ:-

''برہمن شودر سے دولت لے لے۔ اس میں کوئی وچار نہ کرے کیونکہ وہ دولت جو اس نے جمع کی ہے وہ اس کی نہیں بلکہ برہمن کی ہے۔''[۱۷]

اس تعلیم کے ماتحت برہمنوں کو اور زیادہ آسانی حاصل ہو گئی کیونکہ انہیں اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ شودروں کے پاس جب بھی تمہیں دولت نظر آئے فوراً لُوٹ لو اور کوئی وچار یعنی فکر نہ کرو کہ اس لُوٹ سے گناہ ہوگا کیونکہ شودر کا مال اس کا نہیں بلکہ تمہارا ہے جب بھی تم کسی شودر کے پاس مال و دولت دیکھو فوراً لُوٹ لو اور اپنے قبضہ میں کر لو۔ یہ وہ تعلیم ہے جو ہندو مذہب پیش کرتا ہے اور چونکہ ہندو مذہب میں سوائے برہمنوں، کھتریوں اور ویشوں کے سب کو شُودر سمجھا جاتا ہے اس لئے جس قدر سید، مغل اور پٹھان وغیرہ ہیں سب ہندوؤں کے نزدیک شودر ہیں اور ان سب کے متعلق برہمنوں کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ ان کی دولت کو لُوٹ لیں۔ اگر کوئی شخص روپیہ کمائے اور برہمن اس سے وہ روپیہ لُوٹ لے تو اس کا کوئی حق نہیں کہ عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور اگر وہ عدالت میں دعویٰ دائر کرے گا تو منو کی اس تعلیم کے ماتحت اسے کہا جائے گا کہ تُو جھوٹا ہے تیرا تو وہ مال تھا ہی نہیں وہ تو برہمن کا مال تھا۔ گویا اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کہیں سے گذر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ لوگ ایک

شخص کو چارپائی پر اُٹھا کر اسے دفن کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں اور چارپائی پر جو شخص ہے وہ شور مچا رہا ہے کہ خدا کے واسطے مجھے بچاؤ، خدا کے واسطے مجھے بچاؤ۔ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر وہ بھی ٹھہر گیا اور کہنے لگا بات کیا ہے؟ انہوں نے کہا جج صاحب نے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو دفن کر دیا جائے کیونکہ یہ مر چکا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ تو زندہ ہے اور شور مچا رہا ہے کہ مجھے بچایا جائے۔ وہ کہنے لگے خواہ کچھ ہو جج صاحب کا یہی حکم ہے کہ یہ شخص مر چکا ہے اور اسے دفن کر دینا چاہئے۔ سیاح نے کہا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ جنازہ اُٹھانے والوں نے جواب دیا کہ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے جو کچھ جج صاحب نے کہا وہی ٹھیک ہے یہ شخص یونہی جھوٹ بول رہا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں مرا نہیں۔ آخر وہ سیاح جج صاحب کے پاس گیا اور اُسے جا کر کہا کہ میں نے آج ایک نظارہ دیکھا ہے اور میں اس پر حیران ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک زندہ شخص کو آپ نے مراہؤا کس طرح قرار دے دیا؟ جج نے جواب دیا تم تو بیوقوف ہو تمہیں حالات کا علم نہیں اگر علم سے کام لیتے تو اسے مراہؤا ہی سمجھتے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک سال ہؤا میرے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میرا خاوند باہر گیا ہؤا تھا اب میں نے سنا ہے کہ وہ مر گیا ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں کسی اور شخص سے شادی کرلوں۔ میں نے کہا کہ گواہیاں لاؤ۔ وہ دو معتبر گواہ میرے پاس لائی جنہوں نے قسم کھا کر کہا کہ انہوں نے فلاں سرائے میں اس کے خاوند کو مرتے ہوئے دیکھا تھا اور انہوں نے خود ہی اسے دفن کیا تھا۔ چنانچہ اُس عورت کو شادی کی اجازت دے دی گئی۔ اب کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص آیا اور کہا کہ میں اس عورت کا خاوند ہوں اور زندہ ہوں وہ عورت مجھے دلوائی جائے۔ میں نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ تُو اس عورت کا خاوند نہیں ہوسکتا وہ تو مر چکا ہے اور دو گواہیاں ہمارے پاس موجود ہیں مگر وہ یہی کہتا چلا گیا کہ نہیں میں تو زندہ ہوں۔ آخر میں نے کہا میں اسے مان نہیں سکتا دو معتبر گواہ موجود ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ اس عورت کا خاوند ان کے سامنے مرا اور چونکہ ان گواہوں کے بیانات کے رو سے خاوند کا مرنا یقینی ہے اس لئے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرسکتا کہ اگر تیرا یہ دعویٰ سچا ہے کہ تو اس عورت کا خاوند ہے تو سرکاری خرچ پر تجھے دفن کرا دوں۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے میں نے اپنے آدمیوں کو بھجوایا ہے تاکہ وہ اسے دفن کر دیں۔ یہی حال ہندومت کا ہے کسی شخص کے پاس روپیہ جمع ہو برہمن اُس سے لُوٹ لے اور وہ بیچارہ عدالت میں دعویٰ دائر کرے تو مجسٹریٹ کہے گا یہ بالکل جھوٹ بولتا ہے اس کے پاس روپیہ تھا کہاں وہ تو فلاں ادھیائے اور فلاں شلوک کے

ماتحت برہمن کا روپیہ تھا جو اس نے لے لیا۔

مگر یاد رکھو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ جب ان مذاہب کی بنیاد پڑی تھی تو اُس وقت وہی تعلیم ان کے نبیوں نے دی تھی جو آج پیش کی جاتی ہے بلکہ کچھ تعلیم تو ایسی ہے جو وقتی اور قومی ہونے کی وجہ سے اُس زمانہ میں ٹھیک تھی اور اب غلط ہے اور کچھ تعلیم ایسی ہے جو ان نبیوں نے دی ہی نہیں وہ یونہی ان کے ذمہ لگا دی گئی ہے۔ بہرحال ایسی تعلیم سے موجودہ زمانہ میں کوئی امن اور چین نصیب نہیں ہوسکتا۔

دوسرے مذاہب کے مقابل پر اسلام کی بے نظیر تعلیم اور اسلامی نقطۂ نگاہ کے مطابق نئے نظام کا نقشہ

اب مَیں اسلام کو لیتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ اسلام اس مصیبت کا کیا علاج تجویز کرتا ہے؟ اسلام دنیا کی اس مصیبت اور دُکھ کا علاج جسے مَیں نے تمہید میں بیان کیا ہے یوں فرماتا ہے۔

دنیا سے غلامی کی بیخ کنی

اول غلامی جو ہزاروں سال سے چلی آرہی تھی اسے اسلام نے دور کیا اور غلامی کو کُلِّیۃً مٹا کر رکھ دیا۔ میرے نزدیک دنیا کے تمام مذاہب میں سے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے دنیا کے پردہ پر سے غلامی کو مٹایا ورنہ پہلے مذاہب میں غلامی کا رواج تھا اور اسے کسی مذہب نے منسوخ قرار نہیں دیا۔ یہودی اور ہندو مذہب کے اصول کے ماتحت تو غلامی ایک مذہبی انسٹی ٹیوشن ہے اور اسے منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ عیسائیت یہودیت کی شاخ ہے اس میں بھی غلامی رہی اور اگر عیسائیوں میں غلامی مٹی تو اس کے مٹانے کا موجب عیسائیت نہیں بلکہ فلسفۂ اخلاق کی ترقی تھی۔ تاریخِ کلیسیا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کے مٹانے کے لئے عیسائی ممالک میں کئی بار کوششیں ہوئیں مگر اس کے سب سے بڑے مخالف پادری ہی تھے اسی طرح ہندو مذہب نے ورنوں کے ذریعہ غلامیت کو اتنا وسیع کر دیا کہ اس کے مقابلہ میں محدود غلامی بھی مات ہوگئی۔ بھلا زرخرید غلام کو ورن کے غلام سے کیا نسبت؟ مگر اسلام نے اس غلامی کو سرے سے مٹا دیا۔

اسلام میں جنگی قیدی بنانے کے متعلق پابندیاں

ہاں ایک چیز اسلام میں موجود ہے جسے لوگ غلامی قرار دیتے ہیں اور وہ چیز جنگی قیدیوں کا پکڑنا ہے مگر کیا دنیا میں کہیں بھی ایسا دستور ہے کہ جب دو قوموں میں

لڑائی ہو اور دن کے دَوران میں ایک دوسرے کے قیدی پکڑے جائیں اور شام کو ان سب قیدیوں کو رہا کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ اب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ کل پھر ہم سے لڑائی کرنے کے لئے آ جانا۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ لوگ کبڈی کھیلتے ہیں تو اُس وقت بھی جن کھلاڑیوں کو پکڑتے ہیں چھوڑتے نہیں بلکہ پکڑ کر بٹھا لیتے ہیں پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ جنگ ہو اور جنگ کے بعد سب قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ اگر کبڈی تک نہیں کھیلی جا سکتی بغیر اس کے کہ جب کوئی شکست کھا جائے تو اسے پکڑ کر بٹھا دیا جائے تو جنگیں اس کے بغیر کس طرح ختم کی جاسکتی ہیں۔ پس اسلام میں کوئی غلام نہیں مگر جنگی قیدی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ [۱۸]

یعنی کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ وہ یونہی لوگوں کو غلام بناتا جائے۔ ان الفاظ کے ذریعہ نہ صرف خدا تعالیٰ نے یہ اعلان کیا کہ کسی انسان کو غلام بنانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز نہیں بلکہ یہودیت، عیسائیت اور ہندومت کی وجہ سے جو اعتراضات ان کے نبیوں پر عائد ہوتے تھے خدا تعالیٰ نے ان تمام اعتراضات کا بھی ازالہ کر دیا کیونکہ فرمایا مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی یعنی کسی نبی کے لئے بھی یہ جائز نہیں تھا کہ وہ یونہی لوگوں کو غلام بناتا پھرتا۔ پس نہ کرشنؑ نے ایسا کیا نہ رام چندرؑ نے ایسا کیا، نہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ نے ایسا کیا، جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ ان کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ ہاں فرماتا ہے کہ ایک چیز ہے جو جائز ہے وہ یہ کہ حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ۔ اِثْخَان فِی الْاَرْض ہو تو اُس وقت قیدی بنانے جائز ہوتے ہیں یعنی جنگ ہو اور ایسی شدید ہو کہ اس میں خون کی ندیاں بہہ جائیں، قوم قوم پر اور ملک ملک پر حملہ آور ہو اور شدید خونریزی ہو ایسی حالت میں بے شک قیدی بنانے جائز ہیں مگر معمولی لڑائیوں میں بھی قیدی بنانے جائز نہیں جو مثلاً خاندانوں یا افراد میں ہوتی ہیں۔ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا اے ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ بغیر لڑائی کے لوگوں کو قیدی بنائے یا ان کو غلام بنائے۔ دوسرے الفاظ میں تُو یہ چاہتا ہے کہ تجھے دنیا مل جائے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم دنیا کے طلبگار سمجھے جاؤ گے خدا تعالیٰ کے طلبگار نہیں رہو گے وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ حالانکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طلبگار بنو۔ وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اس کے تمام احکام بڑی بڑی حکمتوں پر مشتمل ہوا کرتے ہیں۔ اگر غلام بناتے رہو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی غلام بن کر رہ جاؤ گے چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جن

قوموں میں غلاموں کی کثرت ہوئی وہی قومیں آخر غلام کہلائیں۔ بنوعباس کے عہد میں غلاموں کی کثرت تھی نتیجہ یہ ہؤا کہ تمام بادشاہ لونڈی زادے ہؤا کرتے تھے اور چونکہ غلام میں غلامی کے خیالات ہی ہوتے ہیں اس لئے گو وہ لفظاً آزاد تھے مگر معناً غلام ہی تھے۔

اِثْخان کے معنے عربی میں ایسی جنگ کے ہوتے ہیں جس میں خطرناک خونریزی ہو۔ گویا معمولی جنگ میں غلام بنانا جائز نہیں بلکہ غلام ایسی حالت میں ہی بنائے جاسکتے ہیں کہ جب شدید جنگ ہو۔ معمولی لڑائیاں تو انگریزوں اور پٹھانوں کے درمیان سرحد پر ہوتی ہی رہتی ہیں مگر ان جنگوں میں قیدی نہیں بنائے جاتے۔ پرزنر آف وار (Prisoner of War) اُسی وقت جائز ہوتے ہیں جب باقاعدہ ڈیکلیئرڈ وار (Declared War) ہو معمولی شبخونوں میں ایسے قیدی بنانے جائز نہیں ہوتے۔ اگر کوئی قوم اپنے لوگوں کو غلام بنانا نہیں چاہے گی تو وہ حملہ ہی کیوں کرے گی۔ اور اگر حملہ کرے اور لڑائی اِثْخَان فِی الْاَرْض کی صورت اختیار کر لے تو پھر قیدی بنانا کسی صورت میں بھی قابلِ اعتراض نہیں سمجھا جاسکتا۔

اسلام کی تعلیم کہ کوئی جنگ جائز نہیں مگر دفاعی

پھر جنگ کے متعلق اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ کوئی جنگ جائز نہیں مگر دفاعی۔ یعنی یہ جائز نہیں کہ خود ہی دوسروں پر حملہ کر دیا جائے اور لوگوں کو غلام بنا لیا جائے۔ چنانچہ فرماتا ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ۔ نِالَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ[19]

فرماتا ہے جنگ کی اجازت صرف انہی کو دی گئی ہے جن پر پہلے دوسروں نے حملہ کیا اور اس وجہ سے دی گئی ہے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْر اور اس لئے دی گئی ہے کہ مسلمانوں پر ایسا حملہ ہؤا ہے کہ اب خدا چاہتا ہے اس کی تقدیر دنیا میں جاری ہو اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دے اور مظلوم کی مدد کرے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ظالم طاقتور ہو اور مظلوم کمزور ہو، ایسی صورت میں اگر کمزور آدمی لڑے گا تو بجائے غالب آنے کے وہ تباہ ہی ہوگا۔ قصہ مشہور ہے کہ کوئی پہلوان ایک جگہ سے گذر رہا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے ایک دُبلا پتلا شخص جا رہا تھا۔ پہلوان

نے اپنے سر کو مُنڈوا کر اُس پر چکنائی لگائی ہوئی تھی۔ اُس کمزور آدمی نے جب پہلوان کو اس حالت میں دیکھا تو اُس کی طبیعت میں مذاق کے لئے ایسا جوش پیدا ہؤا کہ وہ برداشت نہ کر سکا اور اس نے اُنگلی سے اُس کے سر پر ایک ٹھینگا مارا۔ پہلوان کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا اور وہ اسے زمین پر گرا کر ٹُھڈّے مارنے لگا۔ وہ مار کھاتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ جتنا جی چاہے مار لو مگر جو مزا مجھے ٹھینگا مارنے میں آیا ہے وہ تم کو ساری عمر مار کر بھی نہیں آئے گا۔ اب دیکھو وہ چونکہ کمزور تھا اس لئے اُس نے اسی بات کو بڑے فخر کا موجب سمجھا کہ اُس نے ایک طاقتور کے جسم کو چُھو لیا۔ پس ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ظالم ہو مگر طاقتور ہو اور مظلوم اس پر غلبہ نہ پا سکتا ہو مگر فرماتا ہے ہم نے جو اجازت دی ہے وہ اس لئے دی ہے کہ ان پر حملہ کیا گیا اور اس لئے اجازت دی ہے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اس لئے اجازت دی ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی مدد کریں اور ہمارا فرض ہے کہ ان کمزوروں کو طاقتوروں پر غالب کر دیں۔ پس ہم نے انہیں خالی لڑنے کی اجازت نہیں دی بلکہ ہمارا ان کے ساتھ وعدہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ رہیں گے جب تک تم ظالم کو مغلوب نہیں کر لیتے۔

پھر فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ وہ گھروں سے نکالے گئے بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی قصور کیا ہو۔ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کو سچا مان لیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا فرماتا ہے آئندہ زمانہ میں ایسے ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو محبت اور انسانیت کے نام پر اپیلیں کریں گے اور کہیں گے کہ لڑائی بہرحال بُری چیز ہے اور وہ کسی صورت میں نہیں ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ایسے لوگوں سے کہو کہ اگر اللہ کا یہ قانون نہ ہوتا کہ بعض کے مظالم بعض کے ذریعہ مٹا دیئے جائیں تو عبادت خانے اور علماء کے رہنے کی جگہیں اور بُدھوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسجدیں سب برباد ہو جاتیں اور ان میں اللہ کا نام لیا جانا بند ہو جاتا کیونکہ تمہارے جنگ نہ کرنے سے ان لوگوں کے ارادے کس طرح بدل سکتے ہیں جو حکومت کا دائرہ وسیع کر کے مذہب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے منشاء کے مطابق مذہب رکھنے یا نہ رکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنگ کی قطعی ممانعت کے اعلان کو سن کر دلیر ہو جائیں گے اور نہ صرف دُنیوی امور میں دست اندازی شروع کر دیں گے بلکہ لوگوں کے دین کو مٹا دیں گے اور عبادت کی جگہوں کو گرا دیں گے وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ

لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ٭ فرماتا ہے جو بھی اس لئے اُٹھے گا کہ خدا کے دین کو آزاد کرے خدا اس کی مدد کرے گا اور وہ قوی اور عزیز ہے۔ جس قوم کے ساتھ اُس کی مدد ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہؤا کرتی۔ پھر فرماتا ہے ایسے لوگ جو مذہبی آزادی کے قیام کے لئے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کرتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں کہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ اگر وہ دنیا پر قابض ہو جائیں تو طاقتور ہو کر دوسروں کو لُوٹیں گے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے، غریبوں کو مال دیں گے، خود بُرے کاموں سے بچیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے روکیں گے۔

اب بتاؤ کیا اِس قسم کی لڑائی مسلمانوں کے اختیار میں ہے کہ جب ان کا جی چاہے لڑائی شروع کر دیں اور کفار کو قیدی بنانا شروع کر دیں۔ اس قسم کے جنگی قیدی تو دشمن ہی بنوا سکتا ہے اور جب اس سے بچنا اس کے اختیار میں ہے تو پھر اگر وہ ایسی جنگ کرتا ہے تو یا تو وہ پاگل ہے اور یا پھر قید رہنے کے قابل کیونکہ اسے اختیار تھا کہ وہ حملہ نہ کرتا، وہ دوسروں پر ظلم نہ کرتا، وہ دین کے لئے جنگ نہ کرتا اور اپنے آپ کو غلامی سے بچا لیتا۔

اسلامی تعلیم کے مطابق جنگی قیدیوں کی رہائی

لیکن فرض کرو ایسا حملہ ہو جائے اور بعض لوگ قیدی بن جائیں تو پھر جو لوگ قیدی بن کر آئیں ان کے لئے صاف اور واضح الفاظ میں یہ حکم موجود ہے کہ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا[20]

یعنی اگر ایسا حملہ ہو جائے اور تمہیں لڑائی کرنی پڑے تو خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم اُن میں سے کچھ قیدی پکڑ لو مگر پھر ان سے کیا سلوک کرو اس بارہ میں ہمارے دو قانون ہیں اور تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک قانون کو ضرور ماننا پڑے گا اور وہ قانون یہ ہیں کہ اوّل فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ یا تو احسان کرکے چھوڑ دو اور کہو کہ جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا وَ اِمَّا فِدَآءً اور یا جنگ کا خرچ بحصۂ رسدی قیدیوں سے لیکر انہیں رہا کر دو۔ گویا دو صورتوں میں سے ایک صورت تمہیں ضرور اختیار کرنی پڑے گی۔ یا تو تمہیں احسان کرکے انہیں آزاد کرنا پڑے گا اور یا پھر بحصۂ رسدی ہر قیدی سے جنگ کا تاوان وصول کرکے انہیں آزاد کرنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے کوئی صورت بھی اختیار نہ کی جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص بطور احسان انہیں رہا کرنا نہیں چاہتا تو اُس وقت

تک کہ وہ تاوانِ جنگ ادا کریں اُن سے خدمت لے سکتا ہے۔ آجکل کی یورپین قوموں کو ہی دیکھ لو فرانس کے قیدی جو ہٹلر کے قبضہ میں ہیں ان سے وہ تاوانِ جنگ الگ وصول کرے گا اور خدمت الگ لے رہا ہے۔ چنانچہ ہر جگہ کہیں جنگی قیدیوں سے سڑکیں بنواتے ہیں، کہیں مٹی کُھدواتے ہیں اور کہیں اور کام لیتے ہیں۔ بے شک وہ ان سے اُن کے عُہدوں کے مطابق کام لیتے ہیں مگر یہ نہیں کرتے کہ انہیں فارغ رہنے دیں۔ پس جنگی قیدیوں سے اب بھی مختلف کام لئے جاتے ہیں اور یہی اسلام کا حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے ہاں تاوانِ جنگ کو مقدم رکھا جاتا ہے اور اسلام یہ کہتا ہے کہ ہمارا پہلا حکم یہ ہے کہ تم انہیں احسان کر کے چھوڑ دو ہاں اگر احسان نہیں کر سکتے تو پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ ان سے تاوانِ جنگ لے کر انہیں رہا کر دو۔

اسلامی تعلیم کے مطابق جنگی قیدی سے آئندہ جنگوں میں شامل نہ ہونے کا معاہدہ لے کر اُسے رہا کر دینا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ بھی ثابت ہے کہ احسان کر کے چھوڑتے وقت یہ معاہدہ لیا جا سکتا ہے کہ وہ پھر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے نہیں نکلیں گے کیونکہ ہو سکتا ہے ایک شخص ایک دفعہ رہا ہو تو دوسری دفعہ پھر مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل ہو جائے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کی شرط کر لینے کی اجازت دی ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ ایسا ہے جو بتاتا ہے کہ اس قسم کے خطرات قیدیوں کو رہا کرتے وقت ہو سکتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ ایک قیدی ابوعزہ نامی کو رہا کیا یہ شخص جنگِ بدر میں پکڑا گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ عہد لے کر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہیں ہوگا مگر وہ جنگِ احد میں مسلمانوں کے خلاف پھر لڑنے کے لئے نکلا اور آخر حمراء الاسد کی جنگ میں گرفتار ہو کر مارا گیا۔ پس جنگی قیدیوں کے لئے اسلام دو ہی صورتیں تجویز فرماتا ہے (1) احسان کر کے چھوڑ دیا جائے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو (2) تاوانِ جنگ بحصہ رسدی وصول کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے۔

جنگی قیدی سے خدمت لینا

ہاں جب تک وہ فدیہ ادا نہ کرے اس سے خدمت لینی جائز ہے کیونکہ قیدی بنانے کی غرض یہی ہوتی ہے کہ دشمن کی طاقت کو کمزور کیا جائے اگر قیدیوں کو اکٹھا کر کے انہیں کِھلانا پلانا شروع کر دیا جائے اور

کوئی ایسا کام نہ لیا جائے جس سے دشمن کے مقابلہ میں فائدہ اُٹھایا جا سکے تو اس طرح دشمن کی طاقت بڑھ جائے گی کم نہیں ہوگی لیکن اس میں بھی اسلام اور موجودہ حکومتوں کے طریقِ عمل میں بہت بڑا فرق ہے۔

جنگی قیدیوں سے کام لیتے وقت اُن کی طاقت کا خیال رکھنے اور اُن کی خوراک و پوشاک کے متعلق اسلامی ہدایات

آجکل جنگی قیدیوں میں سے بڑے بڑے افسروں کو تو کچھ نہیں کہا جاتا لیکن عام قیدیوں سے سختی سے کام لیا جاتا ہے مگر اسلام کہتا ہے (1) تم کسی قیدی سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو (2) دوسرے جو کچھ خود کھاؤ وہی اُس کو کِھلاؤ اور جو کچھ خود پہنو وہی اُس کو پہناؤ۔ اب ذرا یورپین حکومتیں بتائیں تو سہی کہ کیا وہ بھی ایسا ہی کرتی ہیں؟ کیا انگریز، جرمن اور جاپانی قیدیوں کو وہی کچھ کھلاتے ہیں جو خود کھاتے ہیں یا جرمن انگریز قیدیوں کو وہی کچھ کھانے کے لئے دیتے ہیں جو خود کھایا کرتے ہیں وہ ایسا ہرگز نہیں کرتے۔ مگر اسلام کہتا ہے جو کھانا خود کھاؤ وہی ان کو کِھلاؤ اور جو کپڑا خود پہنو وہی اُن کو پہناؤ۔ اس بارہ میں صحابہؓ اس قدر تعہّد سے کام لیا کرتے تھے کہ ایک دفعہ صحابہؓ ایک سفر پر جا رہے تھے اور ان کے ساتھ بعض غلام بھی تھے وہ غلام خود روایت کرتے ہیں کہ راستہ میں جب کھجوریں ختم ہونے کو آئیں تو صحابہؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ خود تو گٹھلیوں پر گزارہ کریں گے اور ہمیں کھجوریں کِھلائیں گے۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے رہے اور گٹھلیاں بھی انہیں کافی نہ ملتی تھیں جن سے پیٹ بھر سکتا۔ تو یہ حکم جو اسلام نے دیا ہے کہ جو کچھ خود کھاؤ وہی اپنے قیدیوں کو کھلاؤ اس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی صرف صحابہ کرامؓ ہی ہیں جنہوں نے یہ نمونہ دکھایا۔

اسلامی تعلیم میں جنگی قیدیوں پر سختی کرنے اور اُن کو مارنے پیٹنے کی ممانعت

پھر فرماتا ہے انہیں مارو پیٹو نہیں اور اگر کوئی شخص انہیں غلطی سے مار بیٹھے تو وہ غلام جسے مارا گیا ہو اُسی وقت آزاد ہو جائے گا۔ حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ ایک صحابیؓ کسی غلام کو مار رہے ہیں یہ صحابیؓ خود بیان کرتے ہیں کہ میں اسی حالت میں تھا کہ میں نے

اپنے پیچھے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ آواز سنی کہ تم کیا کرتے ہو یہ جاہلیت کا فعل ہے۔ آج کل تو لوگ اپنے نوکروں کو بھی مار لیتے ہیں اور اسے کوئی معیوب بات نہیں سمجھتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک غلام کے مارے جانے پر اس صحابیؓ کو ڈانٹا اور فرمایا تم کیا کرتے ہو جس قدر تمہیں اس غلام پر مَقْدرت حاصل ہے اس سے کہیں زیادہ خدا تعالیٰ کو تم پر مَقْدرت حاصل ہے۔ وہ صحابیؓ کہتے ہیں میں یہ آواز سن کر کانپ گیا اور میں نے کہا یَارَسُولَ اللّٰہِ! میں اسے آزاد کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم میں جاتے۔[۲۱]

اسی طرح ایک اور صحابیؓ کہتے ہیں ہم سات بھائی تھے اور ہمارے پاس صرف ایک لونڈی تھی ایک دفعہ ہم میں سے سب سے چھوٹے بھائی نے کسی قصور پر اُسے تھپڑ مار دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا اسے تھپڑ مارنے کا جُرمانہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اسے آزاد کر دو۔ چنانچہ انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ گویا کوئی سخت مار پیٹ نہیں ایک تھپڑ بھی کسی غلام یا لونڈی کو مارنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ناپسند تھا اور آپؐ اس کا کفارہ صرف ایک ہی چیز بتاتے تھے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ آج کل تو مار مار کر جسم پر نشان ڈال دیتے ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ سونٹا نہیں اگر تم تھپڑ بھی مار بیٹھتے ہو تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تم غلام رکھنے کے قابل نہیں اور تم نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم اس بات کے اہل نہیں کہ تمہارے ماتحت کسی کو رکھا جا سکے تم اسے فوراً آزاد کر دو۔[۲۲]

شادی کے قابل جنگی قیدیوں کی شادی کر دینے کے متعلق اسلامی ہدایت

پھر فرماتا ہے اگر وہ شادی کے قابل ہوں اور جوان ہوں تو تم ان کی شادی کر دو کیونکہ نہ معلوم وہ کب آزاد ہوں۔ چنانچہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَآئِکُمْ [۲۳]

تمہاری لونڈیوں اور غلاموں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں ان کے متعلق ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم ان کی شادی کر دیا کرو۔

اب بتاؤ کیا آجکل کا انٹرنیشنل قانون اس سے زیادہ حُسنِ سلوک سکھاتا ہے۔ آجکل تو

ان کی پہلی بیویوں کو بھی ان کے پاس آنے نہیں دیتے کُجا یہ کہ خود ان کی شادی کر دیں۔ مگر اسلام کہتا ہے جو کچھ خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو کچھ خود پہنو وہی ان کو پہناؤ، ان میں سے جو شادی کے قابل ہوں ان کی شادی کر دو، ان پر کبھی سختی نہ کرو اور اگر تم کسی وقت انہیں مار بیٹھو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ تم انہیں فوراً آزاد کر دو۔ پھر کیا آج قیدیوں کو کوئی بھی حکومت یہ اقرار لے کر کہ وہ آئندہ ان کے خلاف جنگ میں شامل نہ ہوں گے چھوڑنے کو تیار ہے؟ یا کیا بغیر تاوانِ جنگ کے کوئی کسی جنگ کرنے والی حکومت کو چھوڑتا ہے؟

اسلام میں فدیہ یعنی تاوانِ جنگ کے ذریعہ جنگی قیدیوں کی رہائی

مگر اسلام نے تاوانِ جنگ کو بھی اتنا نرم کر دیا ہے کہ فرمایا یا تو احسان کر کے چھوڑ دو اور احسان کو مقدم رکھا اور اس کی برداشت نہ ہو تو تاوانِ جنگ لے کر چھوڑ دو اور فدیہ تاوانِ جنگ کے سِوا اور کچھ نہیں ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ پہلے جنگ انفرادی ہوتی تھی اس لئے افراد سے تاوانِ جنگ وصول کیا جاتا تھا مگر اب قومی جنگ ہوتی ہے اس لئے اب طریق یہ ہوگا کہ قوم تاوانِ جنگ ادا کرے۔ پہلے چونکہ باقاعدہ فوجیں نہ ہؤا کرتی تھیں اور قوم کے افراد پر جنگی اخراجات کی ذمہ داری فرداً فرداً پڑتی تھی اس لئے اُس وقت قیدی رکھنے کا بہترین طریق یہی تھا کہ اُن کو افراد میں تقسیم کر دیا جاتا تھا تا کہ وہ ان سے اپنے اپنے اخراجاتِ جنگ وصول کر لیں۔ مگر جب حکومت کی باقاعدہ فوج ہو اور افراد پر جنگی اخراجات کا بار فرداً فرداً نہ پڑتا ہو تو اُس وقت جنگی قیدی تقسیم نہ ہوں گے بلکہ حکومت کی تحویل میں رہیں گے اور جب دوسری قوم تاوانِ جنگ ادا کر دے گی تو پھر ان سے کوئی خدمت نہیں لی جائے گی اور انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ اب بتاؤ جب قیدی کو فدیہ دے کر رہا ہونے کا اختیار ہے تو وہ کیوں فدیہ ادا کر کے اپنے آپ کو رہا نہیں کرا لیتا۔ اگر وہ خود فدیہ دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے رشتہ دار فدیہ دے سکتے ہیں۔ اگر وہ بھی فدیہ نہیں دے سکتے تو حکومت فدیہ دے کر اسے رہا کرا سکتی ہے۔ بہرحال کوئی صورت ایسی نہیں جس میں اس کی رہائی کا دروازہ کُھلا نہ رکھا گیا ہو۔

فدیہ نہ دے سکنے والے کی رہائی کی صورت

ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ ہو سکتا ہے ایک شخص غریب ہو اور وہ خود فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، گورنمنٹ ظالم ہو اور اسے رہا کرانے کا کوئی احساس نہ ہو، رشتہ دار

لاپرواہ یا بدمعاش ہوں اور وہ چاہتے ہوں کہ وہ قید ہی رہے تاکہ وہ اس کی جائداد پر قبضہ کر لیں، دوسری طرف مالک کی یہ حالت ہو کہ وہ بغیر فدیہ کے آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو کیونکہ بالکل ممکن ہے جو رقم اس نے جنگ میں خرچ کی تھی اس نے اس کی مالی حالت کو خراب کر دیا ہو تو ایسی صورت میں وہ اپنی رہائی کے لئے کیا صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب بھی قرآن کریم نے دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْ هُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰكُمْ [۲۴]

یعنی وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارا غلام بنایا ہے اور تمہیں ان پر قبضہ اور تصرف حاصل ہے اگر وہ تم سے کہیں کہ صاحب ہمیں چُھڑانے والا کوئی نہیں اور نہ ہمارے پاس دولت ہے کہ ہم فدیہ دے کر رہا ہو سکیں ہم غریب اور نادار ہیں ہم آپ سے یہ شرط کر لیتے ہیں کہ آپ کی رقم دو سال یا تین سال یا چار سال میں ادا کر دیں گے اور اس قدر ماہوار قسط آپ کو ادا کیا کریں گے آپ ہمیں آزاد کر دیں تو فَكَاتِبُوْ هُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۔ تم اس بات پر مجبور ہو کہ ان کو آزاد کر دو اور ان کے فدیہ کی رقم کی قسطیں مقرر کر لو بشرطیکہ تمہیں معلوم ہو کہ وہ روپیہ کمانے کی اہلیت رکھتے ہیں بلکہ تمہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے ان کی مدد کرو۔ یعنی انہیں کچھ سرمایہ بھی دے دو تا کہ اس ذریعہ سے وہ روپیہ کما کر اپنا فدیہ ادا کر سکیں۔ گویا جس وقت قِسطیں مقرر ہو جائیں اُسی وقت سے وہ اپنے اعمال میں ویسا ہی آزاد ہوگا جیسے کوئی دوسرا آزاد شخص اور وہ اپنے مال کا مالک سمجھا جائے گا۔

اگر ان تمام صورتوں کے باوجود کوئی شخص پھر بھی غلام رہتا ہے اور آزاد ہونے کی کوشش نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ خود غلام رہنا چاہتا ہے اور اسے غلامی میں مزا آتا ہے۔ غرض اسلامی تعلیم کے ماتحت غلام دُنیوی جنگوں میں نہیں بنائے جاتے بلکہ صرف انہی جنگوں میں بنائے جاتے ہیں جو مذہبی ہوں مگر ان غلاموں کے متعلق بھی حکم دیا کہ اول تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو فدیہ لے کر رہا کر دو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ خود فدیہ دے اس کے رشتہ دار بھی دے سکتے ہیں، حکومت بھی دے سکتی ہے اور اگر گورنمنٹ لاپرواہ ہو، رشتہ دار ظالم ہوں اور وہ غریب ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ طے کر لو کہ مجھ پر کیا تاوانِ جنگ عائد ہوتا ہے اور مجھے اس تاوان کی ادائیگی کے لئے اتنی مُہلت دے دو میں اس عرصہ میں اس قدر ماہوار روپیہ ادا کر کے تاوانِ جنگ دے دوں گا۔ اس معاہدہ کے معاً بعد وہ آزاد ہو جائے گا اور

مالک کا کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ مکاتبت میں کسی قسم کی روک پیدا کرے۔ مکاتبت کا روکنا صرف اسی صورت میں جائز ہے جبکہ اس میں خیر نہ ہو یعنی جنگ کا خطرہ ہو یا یہ کہ وہ پاگل یا کم عقل ہو اور خود کما نہ سکتا ہو اور خطرہ ہو کہ وہ بجائے فائدے کے نقصان اُٹھائے گا۔ مکاتبت کی صورت میں اسلام اسے سرمایہ مہیا کرنے کا بھی حکم دیتا ہے خواہ وہ سرمایہ مالک دے یا حکومت۔

قیدیوں کی رہائی کے متعلق اسلام کی انتہائی کوشش

پھر ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے اگر پاگل یا کم عقل والے کی مکاتبت کو روکنا جائز ہے تو پھر لوگ اچھے بھلے سمجھدار لوگوں کو بے عقل قرار دے کر اپنا غلام بنائے رکھیں گے آزاد تو وہ پھر بھی نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی قانون یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ گورنمنٹ کے پاس درخواست کر سکتا ہے کہ میں صاحبِ عقل ہوں، کما سکتا ہوں مگر میرا مالک مجھے جان بوجھ کر غلام بنائے ہوئے ہے ایسی صورت میں قاضی فیصلہ کر کے اسے آزادی کا حق دے دیگا۔ غرض کوئی صورت ایسی نہیں جس میں غلاموں کی آزادی کو مدنظر نہ رکھا گیا ہو۔ اول مالک کو کہا کہ وہ احسان کر کے چھوڑ دے۔ دوم اگر مالک ایسا نہ کر سکے تو غلام کو اختیار دیا کہ وہ تاوانِ جنگ ادا کر کے آزادی حاصل کر لے اور اگر فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو مکاتبت کر لے اور کہہ دے کہ میں اتنی قسطوں میں روپیہ دے دوں گا مجھے دو یا تین سال کی مہلت دے دو۔ ایسا معاہدہ کرتے ہی وہ عملاً آزاد سمجھا جائے گا اور اگر ان ساری شرطوں کے باوجود کوئی شخص یہ کہے کہ میں آزاد ہونا نہیں چاہتا تو ماننا پڑے گا کہ اسے اپنی غلامی آزادی سے اچھی معلوم ہوتی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس جو غلام تھے انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کے ماتحت وہ اس عمدگی اور آرام کے ساتھ رکھتے تھے کہ انہیں اپنی آزادی سے صحابہؓ کی غلامی بہتر معلوم ہوتی تھی۔

صحابہ کرامؓ کا غلاموں سے حُسنِ سلوک

صحابہؓ جو کچھ کھاتے وہی انہیں کِھلاتے جو کچھ پہنتے وہی ان کو پہناتے، انہیں بدنی سزا نہ دیتے، ان سے کوئی ایسا کام نہ لیتے جو وہ کر نہ سکتے، ان سے کوئی ایسا کام نہ لیتے جس کے کرنے سے وہ خود کراہت کرتے اور اگر لیتے تو کام میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اور اگر وہ آزادی کا مطالبہ کرتے تو انہیں فوراً آزادی دے دیتے بشرطیکہ وہ اپنا فدیہ ادا کر دیں۔ ان حالات کو دیکھ کر غلاموں کا جی ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ آزاد ہوں۔ وہ جانتے تھے کہ یہاں

ہمیں اچھا کھانا کھانے کو ملتا ہے بلکہ آقا پہلے ہمیں کِھلاتا ہے پھر خود کھاتا ہے گھر گئے تو معمولی روٹی ہی ملے گی اس لئے وہ آزادی کا مطالبہ ہی نہیں کرتے تھے۔ پس گو وہ غلام تھے مگر درحقیقت ان کے دل فتح ہو چکے تھے اور ایسے ہی تھے جیسے حضرت خدیجہؓ کے غلام زید بن حارثہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو آزادی پر ترجیح دی۔

غلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ سلوک کا نمونہ اور اس کا نتیجہ

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شادی ہوئی تو انہوں نے اپنی تمام دولت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دے دی اور زیدؓ کو بھی جو ان کے غلام تھے آپ کے سپرد کر دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو آزاد کر دیا۔ حضرت زیدؓ دراصل غلام نہیں تھے بلکہ ایک آزاد خاندان کے لڑکے تھے کسی لُوٹ مار میں وہ قید ہو گئے اور ہوتے ہوتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچے۔ ان کے باپ اور چچا دونوں ان کو تلاش کرتے کرتے مکہ میں آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ زیدؓ کو ہمارے ساتھ بھیجا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت زیدؓ کو آزاد کر چکے تھے آپؐ نے فرمایا میری طرف سے کوئی روک نہیں اگر یہ جانا چاہتا ہے تو بے شک چلا جائے۔ انہوں نے زیدؓ سے کہا کہ بیٹا! گھر چل تیری ماں روتی ہے اور اسے تیری جُدائی کا سخت صدمہ ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بھی تجھے آزاد کر دیا ہے اور اجازت دے دی ہے کہ تُو ہمارے ساتھ واپس چلا جا۔ زیدؓ نے کہا انہوں نے بے شک مجھے آزاد کر دیا ہے مگر میں دل سے ان کا غلام ہی ہوں اور اس غلامی سے الگ ہونا نہیں چاہتا۔ باپ نے بہت منّت سماجت کی اور کہا کہ دیکھ اپنی بوڑھی ماں کا خیال کر چچا نے بھی بہت کوشش کی اور کہا کہ ماں باپ سے بڑھ کر اور کون حُسنِ سلوک کر سکتا ہے ہمارے ساتھ چل ہم تجھے بڑی محبت سے رکھیں گے مگر حضرت زیدؓ نے کہا میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ یہ سلوک کرتے ہیں اس سے بہتر سلوک دنیا کی کوئی ماں اور دنیا کا کوئی باپ نہیں کر سکتا۔

اب بتاؤ کیا اس غلامی پر اعتراض ہو سکتا ہے؟ یا انسان کا دل تشکّر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہو جاتا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور وہ حیران ہو جاتا ہے کہ کیا دنیا میں دو

انسانوں کے درمیان ایسے شریفانہ تعلقات بھی ہو سکتے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں بعض لوگوں کے غلام رہنے کی وجہ

پس اگر ابتدائے اسلام میں بعض غلام غلام ہی رہے تو اس کے معنے صرف یہ ہیں کہ مسلمان غلاموں سے ایسا حُسنِ سلوک کرتے تھے کہ وہ غلام خود چاہتے تھے ہم پر یہ حکومت کرتے چلے جائیں اور ہم ان کی غلامی میں ہی رہیں کیونکہ ان کی غلامی آزادی سے بدرجہا بہتر ہے مگر یورپ کے پادری دُور بیٹھے اعتراضات کرتے چلے جاتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کو دور نہیں کیا۔ بڑے بڑے جلسوں میں لیکچرار اپنے وقت سے پانچ منٹ بھی زیادہ تقریر کریں تو لوگ شور مچانے لگ جاتے ہیں مگر یہ دل کی غلامی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کا نتیجہ ہی ہے کہ یہاں ہمارے جلسہ میں خواہ سردی لگے، بھوک لگے، ہاتھ پاؤں شَل ہو جائیں پھر بھی لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور یہی چاہتے ہیں کہ تقریر جاری رہے۔ یہ غلامی آیا اِس قابل ہے کہ اس پر اعتراض کیا جائے یا یہ غلامی ایمانوں کو بڑھانے والی ہوتی ہے۔ یہ غلامی بندوں کی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ کی ہوتی ہے۔

غرض کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اب تو دنیا آگے نکل گئی ہے اس نے غلامی کو مٹا دیا ہے کیونکہ اسلام نے شروع سے ہی غلامی کو کُلّی طور پر مٹا دیا ہے۔ ہاں جنگی قیدی بنانے کی اس نے اجازت دی ہے مگر ان کے بارہ میں بھی وہ قواعد بنائے کہ اب تک بھی دنیا ان سے پیچھے ہے۔ اس وقت نہ اتحادی ان قواعد پر عمل کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں نہ محوری[۲۵] ان قواعد پر عمل کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں۔

لوگوں پر ظلم روا رکھنے کے متعلق بعض فلسفیانہ نظریے

خلاصہ یہ کہ اسلام نے غلامی کو یکسر مٹا دیا ہے۔ اب رہا وہ دُکھ جو باطنی غلامی سے پیدا ہوتا ہے یعنی غربت یا ماتحتی کی وجہ سے، اس کا علاج بھی اسلام نے کیا ہے مگر اس علاج کو سمجھنے سے پہلے یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا کے امتیازی فرق بعض فلسفی نظریوں کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ نظریے یہ ہیں۔

پہلا نظریہ

اول بعض کہتے ہیں کہ دنیا میں جس کا زور چلتا ہو وہی لے جاتا ہے اس لئے ہمیں بھی اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ انگریزوں کا زور چلا تو انہوں نے کئی ملکوں پر قبضہ کر لیا، اسی طرح جب اٹلی نے ایبے سینیا پر حملہ کیا تو مسولینی نے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ ہم نے یہ حملہ محض ایبے سینیا والوں کی خدمت کرنے کے لئے کیا ہے اور اس اقدام سے

ہماری وہی غرض ہے جو انگریزوں کی ہندوستان میں تھی۔ وہ کہتے ہیں ہندوستان پر ہم اس لئے حکومت کر رہے ہیں کہ وہاں کے جاہلوں کو پڑھائیں اور اسے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کر دیں۔ پھر کیا ہم میں انسانیت نہیں پائی جاتی کہ ہم دوسروں کی خدمت نہ کریں اور ان کے ملک پر قبضہ کر کے ان کی جہالت کو دور نہ کریں۔ پس یہ بھی ایک دلیل ہے جو بعض لوگوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔

دوسرا نظریہ دوسرے بعض کہتے ہیں کہ جو فائق ہو اسے فائق ہی رہنا چاہئے یعنی مالی طور پر جس کا غلبہ ہو اور جو اپنے زورِ بازو سے کماتا ہو اس میں دخل نہیں دینا چاہئے۔

تیسرا نظریہ اسی طرح ایک اور نظریہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ نسلی فوقیت بھی ایک حقیقی فوقیت ہے اس کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عقیدہ ویسا ہی ہے جو ہندو مذہب میں پایا جاتا ہے کہ شودر شودر ہی رہے گا ویش ویش ہی رہے گا کھتری کھتری ہی رہے گا اور برہمن برہمن ہی رہے گا۔ بقول ان کے یہ امتیاز جو نسلی طور پر لوگوں میں پایا جاتا ہے مٹ نہیں سکتا۔

چوتھا نظریہ ایک اور قانون یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف جمہور کو حکومت کرنے کا حق ہے اس لئے اقلیتوں پر جو چاہو ظلم کرو۔ اس نظریہ کے ماتحت یہ لوگ اقلیت کو تباہ کر دیتے ہیں اور تھوڑے آدمیوں کی آواز کو سنتے ہی نہیں۔

پانچواں نظریہ اسی طرح ان کا ایک یہ بھی قانون ہے کہ جو گری پڑی چیز ملے لے لو۔ ہم بچپن میں جب آپس میں کھیلا کرتے اور ہمیں کوئی گری پڑی چیز مل جاتی تو ہم یہ کہتے ہوئے اُسے اُٹھا لیتے کہ ''لبھی چیز خدا دی نہ دھیلے دی نہ پا دی'' اور سمجھتے کہ یہ کوئی ایسا منتر ہے جس کو پڑھ کر گری پڑی چیز کو اُٹھا لینا بالکل جائز ہو جاتا ہے مگر وہ چیز جو بچوں کو کھیلتے ہوئے مل جاتی ہے کوئی قابلِ ذکر نہیں ہوتی۔ کبھی انہیں مکئی یا چنے کا دانہ زمین پر پڑا ہؤا مل جاتا ہے، کبھی بٹن یا ایسی ہی کوئی چیز مل جاتی ہے اور وہ اُسے اُٹھا لیتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی ایک دفعہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! گری پڑی چیز کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا مثلاً؟ اُس نے کہا مثلاً جنگل میں مجھے کوئی بکری مل جائے تو آیا میں اسے لے لوں یا نہ لوں؟ آپؐ نے فرمایا جنگل میں اگر تجھے کوئی بکری مل جائے تو تُو اِدھر اُدھر آواز دے کہ یہ کس کی بکری ہے اور اگر آواز دینے کے باوجود تجھے اس کا مالک نہ

ملے تو تو اُسے لے لے اور کھا جا کیونکہ اگر تُو نہیں کھائے گا تو تیرا بھائی بھیڑیا اُسے کھا جائے گا۔ اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر جنگل میں اُونٹ مل جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیرا اونٹ سے کیا تعلق ہے؟ اونٹ کا کھانا درختوں پر اور اُس کا پانی اُس کے پیٹ میں ہے تُو اِس اونٹ کا کیا لگتا ہے تُو اُسے پھرنے دے۔ اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر کہیں گری پڑی کوئی تھیلی مجھے مل جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا تھیلی ملے تو اُسے اُٹھا لو اور لوگوں میں اس کے متعلق متواتر اعلان کرتے رہو جب اُس کا مالک مل جائے تو اُسے دیدو۔ پس ہر گری پڑی چیز کے لئے الگ الگ قانون ہے۔ بکری اور مرغی چونکہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں جانور کھا جاتے ہیں اس لئے اگر ان کا مالک نہ ملے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ انہیں پانے والا اپنے استعمال میں لے آئے۔ لیکن جو باقی چیزیں ہیں ان میں سے جو حفاظت سے رہ سکتی ہیں ان کے متعلق حکم دیا کہ انہیں ہاتھ مت لگاؤ اور جو حفاظت سے نہیں رہ سکتیں ان کے متعلق حکم دیا کہ انہیں اُٹھا تو لو مگر متواتر لوگوں میں اعلان کرتے رہو اور پھر ان کے اصل مالک تک انہیں پہنچا دو۔ تو اسلام نے گری پڑی چیزوں کے متعلق نہایت پُر حکمت احکام دیئے ہیں مگر اب یورپین اقوام کا اصول یہ ہے کہ جو لاوارث، کمزور قوم ہو اس پر قبضہ کر لو۔ اس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ہمیں گرا پڑا مال مل گیا ہے۔ آسٹریلیا کتنا بڑا ملک ہے اس کے متعلق یورپین لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہمیں لاوارث مال مل گیا ہے، ہندوستان کی حکومت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ہمیں لَاوارث مل گیا ہے، شمالی امریکہ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ہمیں لَاوارث مل گیا ہے، جنوبی امریکہ کے متعلق کہتے ہیں یہ ہمیں لَاوارث مل گیا ہے۔ غرض پانچواں نظریہ یورپین اقوام کا یہ ہے کہ نیا دریافت کردہ ملک جو بھی دریافت کر لے یا کمزور حکومت جہاں بھی ہو وہ پہلے پہنچنے والے کی ہے۔ ان اصول کے علاوہ جن کی وجہ سے دنیا میں ظلم ہو رہا ہے کچھ عملی خامیاں بھی اس ظلم کی ذمہ دار ہیں۔

لوگوں پر ظلم رَوا رکھنے والی عملی خامیاں

پہلی عملی خامی تو یہ ہے کہ معذور و مجبور کا ذمہ دار کسی محکمہ کو قرار نہیں دیا جاتا رہا گو اَب اس کی بعض ممالک میں تدریجاً اصلاح ہو رہی ہے اور بعض محکمے ایسے بنے ہیں جن کے ذریعہ اس کوتاہی کا ازالہ کیا جاتا ہے مگر اب بھی انہوں نے جو نئی سکیم بنائی ہے وہ اسلامی تعلیم کو نہیں پہنچتی۔

دوسرے ایسے راستے کُھلے رکھے گئے تھے جن سے بعض افراد کے ہاتھ میں تمام دولت آ جائے۔

تیسرے ایسے راستے کُھلے تھے کہ جن کے ہاتھ میں دولت آ جائے وہ پھر نکلے نہیں۔

چوتھے بے مصرف فنون پر روپیہ خرچ کیا جاتا اور اس کا نام آرٹ رکھا جاتا ہے ان میں سے بعض کسی جگہ اور بعض کسی جگہ رائج ہیں اور بعض سب جگہ رائج ہیں۔

اسلام نے ان سب خرابیوں کے دروازے بند کر کے ترقی کے نئے رستے کھولے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے ان سب امور کا ان طریقوں پر علاج کیا ہے:-

باطنی غلامی یعنی ماتحتی کی وجہ سے پیدا ہونے والے دُکھ کا علاج اسلام میں

اول اسلام نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ ساری دنیا کے لئے ہے۔ کسی ایک کے لئے پیدا نہیں کیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ماں باپ بعض دفعہ مٹھائی کی تھالی اپنے کسی بچے کو پکڑاتے ہیں تو وہ اکیلا ہی اسے کھا جانا چاہتا ہے اس پر اس کے ماں باپ اسے کہتے ہیں کہ یہ حصہ صرف تمہارا نہیں بلکہ تمہارے سب بھائیوں کا اس میں حق ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا [۲۶] اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب بنی نوع انسان کی مجموعی مِلک ہے جیسے ماں اپنے کسی بچہ کو مٹھائی کی تھالی دے کر کہتی ہے کہ یہ تم سب بھائیوں کا حصہ ہے۔

اس اصل کے ماتحت اسلام نے امپیریلزم، نیشنل سوشلزم اور موجودہ انٹرنیشنل سوشلزم سب کو ردّ کر دیا ہے کیونکہ یہ فلسفے طاقتور اور عالم اور منظّم قوموں کو دوسری اقوام پر تصرّف کا حق دیتے ہیں۔ آج کل بھی یہی بحث ہو رہی ہے کہ اگر یہ بات مان لی گئی کہ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے تو کل افریقہ والے اپنی آزادی کا مطالبہ کریں گے حالانکہ وہ ننگے پھرتے تھے اور ہم نے انہیں تہذیب سکھائی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ ننگے پھرتے تھے تو تم ان کا ننگ نہ دیکھتے اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے۔ تم کہتے ہو وہ درختوں کے پتے کھایا کرتے تھے مگر ہم نے انہیں یہ آدمیت سکھائی اب کیا ہمارا حق نہیں کہ ہم ان پر حکومت کریں۔ ہم کہتے ہیں اگر وہ درختوں کے پتے یا پھل ہی کھایا کرتے تھے تو تمہارا کیا حق تھا کہ تم ان کے ملک پر قبضہ کرتے انہیں کیک کِھلاتے۔ پس هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا کہہ کر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دنیا میں جو کچھ ہے اس میں ساری دنیا کا حصہ ہے یہ نہیں جیسے آج کل ساؤتھ افریقہ میں قانون بنا دیا گیا ہے کہ ہمارے ملک میں کوئی غیر شخص داخل نہ ہو، اسی طرح

امریکہ والوں نے قانون بنا دیا ہے کہ ہمارے ملک میں کوئی اور شخص داخل نہ ہو حالانکہ ساؤتھ افریقہ کا فائدہ ساری دنیا کو حاصل ہونا چاہیئے اسی طرح امریکہ کا فائدہ ساری دنیا کو حاصل ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ صرف ساؤتھ افریقہ اور امریکہ والے ہی ان سے فائدہ اُٹھائیں باقی دنیا محروم رہ جائے۔

کانوں کی دریافت کے متعلق اسلام کا حکم

اسی طرح اسلام نے ان مالدار لوگوں کے ظلم کو بھی ردّ کر دیا ہے جو طبعی وسائل سے کام لے کر دولت جمع کرتے ہیں اور ان میں باقی دنیا کا حصہ قرار دیا ہے اگر وہ طبعی وسائل سے کام نہ لیں تو کبھی اس قدر مالدار نہیں ہو سکتے مگر اب وہ دولت کے زور سے کانوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس طرح دوسروں کے حقوق کو تلف کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ اسلام نے اس کا علاج یہ تجویز کیا ہے کہ کانوں میں سے پانچواں حصہ گورنمنٹ کا مقرر کیا ہے اور پھر جو مال کانوں کے مالک جمع کریں اور اس پر سال گزر جائے اس پر زکوٰۃ الگ ہے۔ گویا اس طرح حکومت کانوں میں حصہ دار ہو جاتی ہے اور غرباء کیلئے ایک کافی رقم جمع ہو جاتی ہے جس سے ان کے حقوق ادا کئے جا سکتے ہیں اور وہ نقص پیدا نہیں ہوتا جو کانوں کی دریافت کی وجہ سے نظامِ تمدن میں واقع ہوتا ہے۔

دوسروں کے اموال کو اُن کی خبر گیری کرنے کے بہانہ سے اپنے قبضہ میں کر لینے کا علاج اسلام میں

دوسرا علاج اسلام نے یہ کیا کہ دنیا میں یہ اعلان کر دیا کہ لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ [۲۷] فرماتا ہے تم دوسروں کے اموال اس بہانہ سے نہ لو کہ ہم ان کی خبر گیری کریں گے لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ جو کچھ ہم نے لوگوں کو مال دیا ہے اس کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر نہ دیکھو وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور یہ نہ کہو کہ ہمیں ان کی حالت کو دیکھ کر بڑا غم ہوتا ہے فرماتا ہے یہ غم تم اپنے لئے ہی رہنے دو۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ تمہاری اپنی رعایا موجود ہے تم اس کی تمدنی ترقی کے لئے جتنی کوششیں چاہو کرو تمہیں اس سے کوئی منع نہیں کرتا۔ ہاں اگر تم یہ کہو کہ ہمیں دوسروں کا غم بے چین کئے ہوئے ہے اور ان کی ترقی کے لئے ہم ان پر قبضہ کرنا

چاہتے ہیں تو ہم اس سے متفق نہیں۔ تم اپنے گھر بیٹھو اور انہیں اپنے گھر میں رہنے دو۔ آجکل تمام کالونیزیشن کی بنیاد اسی غلط دعویٰ پر ہے کہ ہم ان کی بھلائی کے لئے ان کے ملک پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اور یہی بہانہ ہر ملک پر قبضہ جماتے وقت کیا جاتا ہے مگر اس دعویٰ کی حقیقت تھوڑے عرصہ کے بعد ہی کُھل جاتی ہے جب اس ملک کی تمام دولت اپنے قبضہ میں لے لی جاتی ہے اور وہاں کے لوگوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ ایسٹ افریقہ میں چلے جاؤ وہاں یورپین گورنمنٹ ہے مگر حالت یہ ہے کہ وہاں انگریز تو بڑے بڑے مالدار ہیں مگر خود وہاں کے باشندے غربت کی حالت میں ہیں اور ان کے خادم بن کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ پس فرماتا ہے کہ اپنے آدمیوں کی بھلائی کی فکر کرو دوسروں کو ان کے حال پر چھوڑ دو وہ غریب جس طرح ہوگا اپنی خبر گیری کر لیں گے۔ اگر کہا جائے کہ کیا ان کی مدد نہ کی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ دوسروں کی خدمت مت کرو وہ جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ لالچ اور ذاتی فائدہ کیلئے خبر گیری مت کرو۔ اب خدمت تو ایک مدرّس بھی کرتا ہے مگر اس کی خدمت اتنی ہی ہوتی ہے کہ علم پڑھاتا ہے اور تنخواہ وصول کر لیتا ہے مگر یہ لوگ تو جب کسی ملک میں جاتے ہیں تو وہاں کی زمینیں اپنے آدمیوں میں بانٹ دیتے ہیں اور ہزاروں لوگ خانماں برباد ہو جاتے ہیں۔ پس فرماتا ہے یہ طریق درست نہیں۔

اول تو دوسروں کے ملک میں سیاسی طور پر نہ جاؤ اور اگر جاؤ تو خادموں کی حیثیت سے جاؤ۔ پس دوسروں کے فائدہ کے لئے بغیر ملک پر قبضہ کرنے کے مدد دینا منع نہیں۔ منع یہی ہے کہ انسان خادم کی حیثیت سے نہ جائے بلکہ ملک پر قبضہ کرنے کے لئے جائے۔ اب دیکھو بالشویک نے بھی کچھ کمی نہیں کی وہ فِن لینڈ پر چڑھ دَوڑے اور اس پر قبضہ کر لیا اور شور یہ مچا رہے تھے کہ ہم وہاں امن قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پس اسلام کہتا ہے یہ طریق درست نہیں تمہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے حقیقت یہ ہے کہ تمام کالونیز کا سوال صرف اور صرف اس طرح حل ہو سکتا ہے جو اسلام نے بتایا ہے ورنہ موجودہ طریقے سب غلط اور نادرست ہیں۔

اسلامی لیگ آف نیشنز اور اس کے چار بنیادی اصول

تیسرا اصل اسلام یہ بتاتا ہے کہ جب تک دنیا ایک محور پر نہیں آ جاتی امن کے قیام کے لئے سب کو ان کی حدود کے اندر رکھو۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ ساری دنیا کو اکٹھا کر کے ایک محور پر لایا جائے مگر جب تک ایسا نہیں ہو جاتا اُس وقت تک

جھگڑوں کو دور کرنے کے لئے وہ یہ ہدایت دیتا ہے۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [۲۸]

یعنی اگر دو حکومتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو اور اگر وہ صلح اور پیار سے آپس کے جھگڑے کو نہ نپٹائیں اور ایک حکومت دوسرے پر چڑھائی کر دے تو پھر ساری حکومتیں مل کر چڑھائی کرنے والے کا مقابلہ کریں۔ جب وہ اپنی ہار مان لے اور کہے بہت اچھا میں لڑائی بند کرتی ہوں تو پھر دوبارہ ان کے درمیان صلح کراؤ اور تفصیلات طے کرو۔ مگر یاد رکھو جب شرائطِ صلح طے کرنے لگو تو اس غصہ کی وجہ سے کہ اس نے کیوں جنگ کی۔ عدل وانصاف کو ترک نہ کرو اور ایسا نہ کرو کہ پھر اپنا حصہ بھی مانگنے لگو بلکہ جو جھگڑا تھا اُسی تک اپنے آپ کو محدود رکھو۔

دیکھو یہ کیسی زبردست پیشگوئی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت کوئی مسلمان گروہ ایسے نہ تھے جن میں لڑائی کا خطرہ ہوتا۔ پس درحقیقت یہ آئندہ کے متعلق ایک پیشگوئی تھی۔ بغی اور قَاتِلُوْا کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ اس کا تعلق حکومت سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر دو حکومتیں آپس میں جھگڑ پڑیں تو تمہیں یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ ان حکومتوں کو مجبور کرو کہ وہ قوموں کی پنچایت سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرائیں۔ اگر وہ منظور کرلیں تو بہتر اور اگر منظور نہ کریں اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کر دے تو باقی سب کا فرض ہے کہ اس کے مقابلہ میں یکجا ہو جائیں اور اس پر حملہ کر کے اسے مغلوب کریں اور آخر میں جب مغلوب ہو کر وہ صلح پر آمادہ ہو جائے تو انصاف اور دیانت کے ساتھ شرائط طے کرو۔ انتقام کے جوش میں اس قوم کے حصے بخرے کرنے اور ذاتی فوائد حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اس آیت میں جو اصول بتائے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

(1)۔ اگر حکومتوں میں اختلاف ہو تو دوسری حکومتیں زور دے کر انہیں تبادلۂ خیالات کر کے فیصلہ کرنے پر مجبور کریں۔

(2)۔ اگر ان میں سے کوئی فریق نہ مانے اور جنگ کرے تو سب مل کر لڑنے والے سے جنگ کریں۔

(3)۔ جب حملہ آور مغلوب ہو جائے اور باہمی سمجھوتہ کے فیصلہ پر راضی ہو جائے تو پھر سب ساتھ مل کر صلح کا فیصلہ کرائیں (آیت میں پہلی صلح۔ صلح سے کام کرنے اور آپس میں مصالحت سے رہنے کے معنوں میں ہے اور دوسری صلح شرائط صُلح سے طے کرانے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ دوبارہ شرائط کے کوئی معنے نہیں۔ عدل کا اضافہ بھی اس پر دال ہے)۔

(4)۔لیکن جنگ کی وجہ سے غصہ سے کام نہ لیں جس کا حق ہو اُسے دیں۔بعض دفعہ حق والا بھی غصہ سے لڑ پڑتا ہے مگر حق بہر حال اُسی کا ہوتا ہے۔

(5)۔وَاَقْسِطُوْا کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مغلوب یا غالب فریق سے دوسری دخل دینے والی اقوام کوئی فائدہ نہ اُٹھائیں۔

یہ لیگ آف نیشنز اسلام نے اُس وقت پیش کی جب اِس قسم کا کسی کو خیال تک نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اِس نکتہ کو مجھ پر کھولا جو ایک ایسا عظیم الشان کام ہے جو صرف نبیوں یا خلفاء کا ہی ہو سکتا ہے۔کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ اِس قسم کا اہم انکشاف سوائے انبیاء اور خلفاء کے کسی نے آج تک کُتبِ سماویہ میں سے کیا ہو جس کا تعلق سب دنیا سے ہو اور صدیوں کے لئے ہو۔یورپ کی لیگ اس کی مخالفت سے فیل ہوئی اور میں نے اپنے لیکچر ''احمدیت'' میں پہلے سے اس کا اشارہ کر دیا تھا کہ اگر لیگ آف نیشنز بناؤ تو اِن قرآنی اصول پر بناؤ مگر چونکہ لیگ کے قیام میں ان شرائط کو مدنظر نہ رکھا گیا اس لئے وہ ناکام ہوگئی۔

موجودہ لیگ آف نیشنز کی ناکامی کی وجوہات

۱۹۲۴ء میں جب مَیں ولایت گیا تو اُس وقت نئی نئی لیگ آف نیشنز بنی تھی اور روس وغیرہ درخواستیں دے رہے تھے کہ ہمیں بھی اس لیگ کا ممبر بنایا جائے۔میں نے اُسی وقت لکھ دیا تھا کہ یہ لیگ ناکام رہے گی اور جن امور کا مَیں نے اِس وقت ذکر کیا ہے ان تمام امور کو تفصیلاً اپنے لیکچر میں بیان کر دیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک ان پانچوں اصولوں کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا لیگ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔وہی لیگ کامیاب ہوسکتی ہے جو قرآن شریف کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق قائم ہو نہ وہ لیگ جو اپنی ہستی کے قیام کے لئے لوگوں کی مدد کی محتاج ہے اور آپ آگے آگے بھاگی پھرتی ہے چنانچہ مَیں نے لکھا تھا:-

''ان پانچوں نقائص کو دور کر دیا جائے تو قرآن کریم کی بتائی ہوئی لیگ آف نیشنز بنتی ہے اور اصل میں ایسی ہی لیگ کوئی فائدہ بھی دے سکتی ہے نہ وہ لیگ جو اپنی ہستی کے قیام کے لئے لوگوں کی مہربانی کی نگاہوں کی جستجو میں بیٹھی رہے''[۲۹]

اسی طرح مَیں نے لکھا تھا:-

''جب تک کہ لوگ اسلام کی تعلیم کے مطابق یہ نہیں سمجھیں گے کہ ہم سب ایک ہی جنس سے ہیں اور یہ کہ ترقی تنزّل سب قوموں سے لگا ہوا ہے کوئی قوم شروع سے

ایک ہی حالت پر نہیں چلی آئی اور نہ آئندہ چلے گی کبھی فساد دُور نہ ہو گا۔ لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ قوموں کو زیروزبر کرنے والے آتش فشاں مادے دنیا سے ختم نہیں ہو گئے نیچر جس طرح پہلے کام کرتی چلی آئی ہے اب بھی کر رہی ہے پس جو قوم دوسری قوم سے حقارت کا معاملہ کرتی ہے وہ ظلم کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر لاتی ہے'' [۳۰]

اُس وقت لوگ لیگ آف نیشنز کے قیام پر اتنے خوش تھے کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں مگر میں نے زور دیا کہ جب تک تم یہ شرط نہ رکھو گے کہ جو حکومت غلطی کرے گی اُس سے سب حکومتیں مل کر لڑیں گی اُس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکے گا مگر اس وقت یہی کہا گیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا یہ تو صلح کی بجائے لڑائی کی بنیاد رکھنا ہے اور نہ صرف اس کی بلکہ ان سب اصول کی جو اسلام نے پیش کئے ہیں تمام موجودہ تحریکات جو نئے نظام کی مدعی ہیں مخالف رہی ہیں مگر اب بائیس سال دھکّے کھا کر اسی طرف رجوع ہؤا ہے جس کی خبر اسلام نے پہلے سے دے دی تھی اور مضامین لکھے جا رہے ہیں کہ نئی لیگ کے قیام کے وقت یہ شرط رکھی جائے گی کہ اگر کوئی حکومت تصفیہ کی طرف مائل نہ ہو تو اس سے جنگ کی جائے مگر اب بھی تم دیکھو گے کہ اگر وہ اسلامی نظام کی پوری پابندی نہ کریں گے تو ناکام ہی رہیں گے۔

غرباء کی تکالیف کو دُور کرنے کے لئے اسلام میں چار احکام

یہ اصول تو اہم قومی امن کے لئے ہیں اور بغیر بَیْنَ الْاَقوامی صلح کے اندرونی صلح چنداں نفع بھی نہیں دیتی مگر چونکہ بَیْنَ الْاَقوامی صلح کے ساتھ ہی اندرونی یعنی انفرادی اصلاح بھی ضروری ہے اس لئے اب میں یہ بتاتا ہوں کہ اسلام نے اندرونی اصلاح کے لئے کیا ذرائع تجویز کئے ہیں۔

پہلا حکم یعنی ورثہ کی تقسیم

اس غرض کے لئے اسلام نے چار نظریے قائم کئے ہیں اور ان چاروں کی غرض یہ ہے کہ غرباء کی تکلیف دور ہو جائے اگر غور کیا جائے تو تمدن میں خرابی واقع ہونے کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ جائدادیں تقسیم نہیں ہوتیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چند لوگوں کے قبضہ میں رہتی ہیں اور غرباء کو جائدادیں پیدا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسلام نے اِس نقص کو دُور کرنے کے لئے ورثہ کے تقسیم کئے جانے

کا حکم دیا ہے چنانچہ اسلامی احکام کے مطابق ہر مرنے والے کی جائداد اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جاتی ہے اور ماں کو، باپ کو، بیٹوں کو، شوہر کو، بیوی کو غرض ہر ایک حقدار کو اس کا مقررہ حق مل جاتا ہے اور کسی شخص کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اس تقسیم کو اپنی مرضی سے بدل دے بلکہ قرآن کریم یہ ہدایت دیتا ہے کہ اگر تم اس رنگ میں جائداد کو تقسیم نہیں کرو گے تو گنہگار ٹھہرو گے۔ اس کے مقابلہ میں جو دوسرے مذاہب ہیں ان میں سے کسی میں تو صرف پہلے بیٹے کو وارث قرار دیا گیا ہے اور کسی میں کسی اور کو۔ مَنو میں لکھا ہے کہ صرف بیٹوں کو ورثہ دیا جائے بیٹیوں کو نہ دیا جائے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص یا چند اشخاص کے ہاتھ میں تمام دولت جمع ہو جاتی تھی اور غرباء ترقی سے محروم رہتے تھے۔ اسلام کہتا ہے کہ جب تک تم اپنی دولت کو لوگوں میں پھیلاؤ گے نہیں اُس وقت تک قوم کو ترقی حاصل نہیں ہو سکے گی چنانچہ دیکھ لو اگر کسی شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو اور اُس کے دس بیٹے ہوں تو ہر ایک کو دس دس ہزار روپیہ مل جائے گا آگے اگر ان کے تین تین، چار چار بیٹے ہوں تو یہ دس ہزار کی رقم اڑھائی اڑھائی، تین تین ہزار روپیہ تک آ جائے گی اور اس طرح سب کو دولت کے حصول کے لئے نئے سرے سے محنت کرنی پڑے گی یہ نہیں ہو گا کہ وہ محض اپنے باپ دادا کی جائداد کے سہارے بیٹھے رہیں اور نہ صرف خود نکمے ہو جائیں بلکہ اپنی دولت کو بند کر لیں۔ انگریزوں نے تو پنجاب کی نَو آبادیوں میں زمین کی تقسیم کے وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ صرف بڑا بیٹا ان کا وارث ہو سکتا ہے مگر اب انہوں نے یہ شرط اُڑا دی ہے۔

دوسرا حکم یعنی روپیہ جمع کرنے کی ممانعت

دوسرے اسلام نے روپیہ جمع کرنے سے روکا ہے یعنی وہ یہ نہیں چاہتا کہ روپیہ کو بند رکھا جائے بلکہ وہ مجبور کرتا ہے کہ لوگ یا تو روپیہ کو خرچ کریں یا اسے کسی کام پر لگائیں کیونکہ دونوں صورتوں میں روپیہ چکر کھانے لگے گا اور لوگوں کو فائدہ ہو گا لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس کے متعلق اسلام یہ وعید سناتا ہے کہ اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو سونا اور چاندی وہ دنیا میں جمع کرے گا اسی کو آگ میں گرم کر کے قیامت کے دن اسے داغ دیا جائے گا۔ اس حکم میں حکمت یہی ہے کہ اگر لوگ سونا چاندی جمع کریں گے تو غریبوں کو کام نہیں ملے گا لیکن اگر وہ اس روپیہ کو کام پر لگا دیں گے تو وہ لوگ جن سے لین دین ہو گا فائدہ اُٹھائیں گے۔ اسی طرح کچھ لوگ بطور

ملازمت یا مزدوری کے فائدہ اٹھا سکیں گے مثلاً وہ کوئی عمارت بنانی شروع کر دے تو گو وہ عمارت اپنے لئے بنائے گا مگر روپیہ خرچ ہونے کی وجہ سے کئی لوگوں کی روزی کا سامان مہیا ہو جائے گا۔ یوں تو فضول عمارتوں پر روپیہ برباد کرنے سے اسلام منع کرتا ہے مگر بہر حال اگر وہ لغو طور پر عمارتیں نہ بنائے بلکہ اپنے ذاتی فائدہ کے لئے بنائے تو بھی لوہاروں اور مستریوں اور مزدوروں اور کئی اور لوگوں کو کام میسر آ جائے گا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے بلکہ سونے چاندی کے زیور بنا کر گھر میں جمع کرنا شروع کر دے تو اس سے دوسروں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا پس اسلام روپیہ کو جمع کرنے سے منع کرتا ہے اسی طرح عورتوں کے لئے کثرت سے زیورات تیار کرنا بھی پسند نہیں کرتا یوں تھوڑا سا زیور انہیں بنوا کر دینا جائز ہے۔

تیسرا حکم یعنی سود کی ممانعت

تیسرے اسلام سود کی ممانعت کرتا ہے۔ سود بھی ایک ایسی چیز ہے جو روپیہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس کے ذریعہ سے وہ تاجر جو پہلے سے اپنی ساکھ بٹھا چکے ہوتے ہیں اور جن کے پاس ایک وقت میں کوئی سرمایہ نہیں ہوتا جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت ہو آسانی سے بنکوں سے لے لیتے ہیں یا ایک شخص معمولی سرمایہ والا ہوتا ہے مگر اُس کا دماغ نہایت اعلیٰ ہوتا ہے وہ کسی بنک کے سیکرٹری یا پریذیڈنٹ سے دوستی پیدا کر کے اُس سے لاکھ دو لاکھ روپیہ لے لیتا ہے اور تھوڑے عرصہ میں ہی دو لاکھ سے دس لاکھ بنا لیتا ہے اور پھر چند سالوں کے اندر اندر وہ کروڑ پتی ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی دنیا کو بہت بڑا نقصان پہنچتا ہے ہمارے ملک کے زمیندار خوب جانتے ہیں کہ ان کا کس قدر روپیہ بنیوں کے پاس جاتا ہے اگر سُود کے بغیر ان کے گزارہ کی کوئی صورت ہو جاتی تو ہر زمیندار خاندان کی مالی حالت آج سے بدرجہا بہتر ہوتی مگر سُود کی بدولت اگر ایک زمیندار دو ہزار روپیہ کسی بنیے سے قرض لیتا ہے تو چند سالوں میں وہ بعض دفعہ دس دس ہزار روپیہ سُود کا دے دیتا ہے مگر ابھی دو ہزار روپیہ جو اس نے قرض لیا تھا وہ بدستور موجود ہوتا ہے۔ پس سُود ایک بہت بڑی لعنت ہے جو بنی نوع انسان کے سروں پر مسلّط ہے یہ ایک جونک ہے جو غریبوں کا خون چُوستی ہے اگر دنیا امن کا سانس لینا چاہتی ہے تو اس کا طریق یہی ہے کہ دنیا سے سُود کو مٹا دیا جائے اور اس طرح دولت کو محدود ہاتھوں میں جمع نہ ہونے دیا جائے۔

چوتھا حکم یعنی زکوٰۃ اور صدقات کا دینا

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے شک اسلام ایک طرف تو روپیہ کسی کے ہاتھ میں نہیں

رہنے دیتا بلکہ اسے تقسیم کر دیتا ہے اور دوسری طرف روپیہ جمع کرنے سے منع کر رہا ہے مگر اس سے غربت کا علاج تو نہیں ہو جاتا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے ایک چوتھا حکم غرباء کے حقوق کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ اور صدقہ کا دیا ہے یعنی جس قدر جائداد کسی انسان کے پاس سونے اور چاندی کے سکّوں یا اموالِ تجارت کی قِسم سے ہو اور اس پر ایک سال گزر چکا ہو تو ضروری ہے کہ حکومت اُس سے اڑھائی فیصدی سالانہ ٹیکس وصول کر کے خزانہ شاہی میں داخل کرے اور اُسے ملک کے غرباء پر خرچ کیا جائے۔ یہ ٹیکس جسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے صرف آمد پر نہیں بلکہ سرمایہ اور نفع سب کو ملا کر اس پر لگایا جاتا ہے اور اس طرح اڑھائی فیصدی بعض دفعہ نفع کا پچاس فیصدی بن جاتا ہے اور بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ۔ اس حکم کے مطابق جس شخص کے گھر میں سَو روپیہ جمع ہو گا اسے سال گزرنے کے بعد اڑھائی روپیہ زکوٰۃ دینی پڑے گی جس پر لازماً اُسے فکر پیدا ہو گا کہ اگر یہ روپیہ اِسی طرح جمع رہا تو تھوڑے ہی عرصہ میں تمام روپیہ ٹیکس کی ادائیگی میں خرچ ہو جائے گا چنانچہ وہ فوراً روپیہ کو تجارت پر لگا دے گا تا کہ یہ کمی پوری ہو جائے اور جب وہ روپیہ کو تجارت پر لگائے گا تو روپیہ چکر کھانے لگے گا اور اس طرح علاوہ اس کے کہ اس کے روپیہ میں سے اڑھائی فیصدی غرباء کو ملے گا روپیہ کے بند رکھنے سے جو نقصان ہو سکتا تھا وہ بھی ملک اور قوم کو نہیں پہنچے گا۔ آجکل خصوصیت سے لوگوں میں یہ مرض پیدا ہو رہا ہے کہ وہ سونا اور چاندی کو جمع کر کے رکھ رہے ہیں۔ غرباء کو کوئی قسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ سونا آج کل گراں ہے وہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کا یہی طریق سوچتے ہیں کہ زیور فروخت کر دیا جائے چنانچہ کوئی انگوٹھی فروخت کر دیتا ہے کوئی کان کی بالیاں فروخت کر دیتا ہے، کوئی گلوبند فروخت کر دیتا ہے، کوئی پازیب فروخت کر دیتا ہے، مگر جانتے ہو یہ سب سونا اور چاندی کہاں جمع ہو رہا ہے یہ سب بنیوں کے گھر میں جا رہا ہے۔ اور بعض لوگ تو اس ڈر کے مارے سونا چاندی جمع کر رہے ہیں کہ اگر جاپان آ گیا تو نوٹ ناکارہ ہو جائیں گے وہ یہ نہیں جانتے کہ جاپان آیا تو سب سے پہلے وہ سونے اور چاندی کو ہی لُوٹے گا مگر وہ سمجھتے ہیں سونا تو ان کے گھروں میں ہی رہے گا اور جن کے پاس نوٹ ہوں گے ان کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ اسی وجہ سے سونا روز بروز مہنگا ہوتا چلا جاتا ہے۔ چالیس روپیہ سے اس نے بڑھنا شروع کیا تھا اور ستّر روپیہ تک پہنچ گیا ہے اور میں نے بنیوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سونے کی قیمت سَو روپیہ تک لے جانی ہے۔ مگر اسلام کہتا ہے تم اوّل تو روپیہ جمع

نہ کرو اور اگر جمع کرو تو اس پر اڑھائی فیصدی ہمارا ٹیکس دو۔ اس طرح اسلام جمع شُدہ روپیہ پھر قوم کے غرباء کی طرف واپس لاتا ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ اُٹھا سکیں اور وہ مجبور کرتا ہے کہ لوگ اپنے روپیہ کو پھیلائیں اور پھیلاتے چلے جائیں۔ اگر اسلام کے احکام پر عمل ہونے لگے تو بخیل سے بخیل شخص کے روپیہ سے بھی دنیا فائدہ اُٹھانے لگ جائے اور غریبوں کو مزدوری وغیرہ مل جائے اور اڑھائی فیصدی روپیہ الگ آ جائے۔

اسلام میں شخصی ملکیّت کے حق کا تحفّظ

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام نے باوجود مال کو سب کا حق قرار دینے کے شخصی ملکیت کے حق کو ردّ نہیں کیا بلکہ اسے قائم رکھا ہے البتہ شخصی مالک بطور ایجنٹ کے رہے گا اور علاوہ اس کے اس طاقت کو جو اسے ملکیت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اسلام نے مناسب تدبیروں سے کمزور کیا ہے جیسا کہ اوپر کے احکام سے ظاہر ہے۔

بالشویک نظام پر اسلامی نظام کو

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں اس نظام پر بالشویک نظام کو ترجیح نہ دی جائے۔

ترجیح دیئے جانے کی وجوہات

اس کا جواب یہ ہے کہ نظام کی اصل غرض امن اور انصاف اور روحِ ترقی کا قائم رکھنا ہوتی ہے مگر بالشویک نظام حالات میں ایسا فوری تغیر پیدا کرتا ہے جو ملک کے ایک طاقتور حصہ کو ناقابلِ برداشت نقصان پہنچا دیتا ہے اور وہ مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ ہر ایک مالدار کا مکان لے لو، اُس کی جائداد اُس سے چھین لو، اس کے مال کو ضبط کر لو یہ انسان کو ایسا صدمہ پہنچاتا ہے جو اس کے لئے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بن جاتا ہے۔ چنانچہ روس کی سب سے زیادہ مخالفت خود روسی کر رہے ہیں اور ہر ملک میں ایسے روسی موجود ہیں جو اس نظام کے شدید ترین مخالف ہیں۔ میں نے خود سفرِ یورپ کے دَوران میں ایسے روسیوں کو دیکھا جو روسی حکومت کے جان کے دشمن ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ آرام سے اپنے اپنے مکانوں میں بیٹھے تھے کہ یکدم حکومت کے نمائندے آئے اور انہوں نے ان کے بستروں اور پلنگوں اور سامانوں پر قبضہ کر لیا، انہیں مکانات سے نکال دیا، ان کا مال و اسباب ضبط کر لیا اور انہیں ان کی جائداد سے بے دخل کر دیا۔ یہ مان لیا کہ انہوں نے جو کچھ کمایا تھا اس میں دوسروں کے حقوق بھی شامل تھے مگر نسلاً بعد نسلٍ وہ یہ خیال رکھنے کے عادی ہو چکے تھے کہ یہ سب کچھ

ہمارا ہے اس لئے طبعًا جب جبری طور پر ان کی جائدادوں اور اموال و اسباب پر قبضہ کیا گیا تو وہ انہیں شدید ناگوار ہؤا اِسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ملکیتیں پُرانی ہو چکی ہیں ان کو ہم نہیں توڑیں گے یعنی اس قسم کا سلوک ان سے نہیں کریں گے کہ انہیں یہ محسوس ہو کہ ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے۔

بالشوزم کا اس امر کو نظر انداز کر دینا کہ دماغ بھی سرمایہ ہے

دوسرے بالشویک نظام اس امر کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ جس طرح مال سرمایہ ہے دماغ بھی سرمایہ ہے اور اس سرمایہ کو وہ کس طرح تقسیم کر سکتا ہے یہ نظام دماغی قابلیت کو بالکل برباد کر دیتا ہے کیونکہ وہ دماغی قابلیت کی اتنی قیمت نہیں سمجھتا جتنی ہاتھ سے کام کرنے کی قیمت قرار دیتا ہے اور یہ ایک طبعی اصول ہے کہ ملک میں جس چیز کی قیمت نہ رہے گی وہ گِرنی شروع ہو جائے گی۔ جن لوگوں کے نزدیک روپیہ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ان کا روپیہ ضائع ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کے نزدیک جائداد کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ان کی جائداد ضائع ہو جاتی ہے اسی طرح جن لوگوں کے نزدیک دماغ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اُن کا دماغ گِرنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس بالشویک نظام میں یہ ایک بہت بڑا نقص ہے کہ وہ مال کو تو سرمایہ قرار دیتا ہے مگر دماغ کو سرمایہ قرار نہیں دیتا کیونکہ وہ مال تقسیم کر سکتا ہے مگر اسے تقسیم نہیں کر سکتا اس طرح اس کے اصول کے مطابق دماغ بے قیمت رہ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے ایک دن اس کی نشوونما میں بھی فرق آ جائے گا مگر اسلام ہر قدم تدریجاً اُٹھاتا ہے وہ یکدم تغیر نہیں کرتا بلکہ محبت اور پیار سے ہر قسم کا سرمایہ لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس طرح دماغ اور مال دونوں کو تقسیم کرا دیتا ہے۔ نیچر کی گواہی بھی بالشویک اصول کے خلاف ہے کیونکہ نیچر دماغی طاقتیں بعض کو زیادہ دیتی ہے اور بعض کو کم مگر اس کے بعد انصاف کو اس طرح قائم رکھا جاتا ہے کہ جن کو دماغ ملا ہے انہیں مذہب حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دماغ کو بھی بنی نوع انسان کی خدمت میں خرچ کریں چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [۳۱] یعنی مومن اور سچے متقی وہی ہیں کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی ان کو ملا ہے خواہ دماغ ہو، خواہ جسمانی طاقت ہو، خواہ مال ہو، خواہ عقل ہو اُسے دوسری مخلوقات کی خدمت میں خرچ کریں۔ اسی طرح مال کی نسبت اسلام کہتا ہے کہ وہ اسے تقسیم کرا دیتا ہے مگر بالشویک نظام کی طرح جبر اور ظلم سے نہیں بلکہ انہیں کے

ہاتھوں سے جن کے پاس مال ہوتا ہے جس طرح دماغ سے انہی کے ہاتھوں فائدہ پہنچاتا ہے جن کے پاس دماغی قابلیتیں ہوتی ہیں۔ اس طرح فائدہ بھی ہو جاتا ہے اور دشمنی کا بیج بھی قلوب میں بویا نہیں جاتا۔

بالشوزم کے تحت غیر منصفانہ سلوک

پھر مَیں کہتا ہوں کہ بالشوزم اب بھی پُورا انصاف نہیں کر سکی۔ اب بھی اس کے چھوٹوں اور بڑوں میں فرق ہوتا ہے، اب بھی ان کے امیروں اور غریبوں میں فرق ہوتا ہے اور اب بھی ان کے کھانوں میں فرق ہوتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سٹالن کی خوراک اور وہاں کے گاؤں والوں کی خوراک بالکل ایک جیسی ہوتی ہے۔ اسی طرح شاہی دعوتوں میں بے انتہا خرچ کیا جاتا ہے ابھی گذشتہ دنوں مسٹر وینڈل ولکی وہاں گئے تھے تو ایک شاہی دعوت کی تفصیلات شائع ہوئی تھیں جس میں یہ ذکر تھا کہ ایک ڈنر میں ساٹھ کھانے تیار کئے گئے تھے اور وہ سٹالن اور دوسرے لوگوں نے جو اس دعوت میں شریک تھے کھائے۔ اگر وہاں واقعہ میں مساوات پائی جاتی ہے اور بڑوں اور چھوٹوں میں کوئی فرق نہیں تو بالشویک اصول کے مطابق ماسکو کا ہر شہری کہہ سکتا ہے کہ مجھے ساٹھ کھانے ملنے چاہئیں اور صرف ماسکو کا ہر شہری نہیں ملک کے سترہ کروڑ باشندے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہمیں بھی یہ سب کچھ ملنا چاہئے مگر کیا ایسا ہو سکتا ہے اگر کہو کہ یہ ناممکن ہے تو یہی جواب دوسری تقسیم کا سمجھنا چاہئے۔ اگر امتیازات نے رہنا ہی ہے تو امتیازات کو دور کرنے کے لئے فسادات کیوں کئے جائیں کیوں نہ کسی اچھی طرز پر اس نقص کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

بالشوزم کا دماغی قابلیّتوں کو بیکار قرار دینا اور اس کا نتیجہ

پھر بالشوزم کے موجودہ نظام کا ایک اور نتیجہ یہ پیدا ہوگا کہ چونکہ وہ دماغی قابلیتوں کو بغیر ہاتھ کے کام کے بیکار قرار دیتا ہے اس لئے گو اس کا اثر اِس وقت محسوس نہ ہوگا مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد روسی مُوجد جب یہ دیکھیں گے کہ ان کی دماغی قابلیتوں کی کوئی قیمت نہیں سمجھی جاتی وہ سیر کے بہانے سے جرمنی یا امریکہ یا انگلستان یا اور ممالک میں چلے جائیں گے اور وہاں جا کر اپنی ایجادات کو رجسٹرڈ کرا دیں گے روس میں نہیں رہیں گے کیونکہ اس نظام کے ماتحت وہ روس میں ان ایجادات سے نفع نہیں اُٹھا سکتے۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جس قدر اعلیٰ دماغ والے انسان ہوں گے ان کی دماغی قابلیتوں سے

دوسرے ممالک تو فائدہ اُٹھائیں گے مگر روس کو فائدہ نہیں ہوگا اور وہ سب آہستہ آہستہ دوسرے ممالک میں چلے جائیں گے۔ اس وقت بالشویک نظام کی مقبولیت ایسی ہی ہے جیسے انجیل کی یہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دو جب تک یہ تعلیم محض باتوں تک رہے اُس وقت تک کانوں کو بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے لیکن جب عمل کا وقت آئے تو اُس وقت کوئی شخص اس پر عمل نہیں کرسکتا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ قاہرہ کے ایک بازار میں ایک دفعہ ایک مسیحی پادری نے روزانہ لیکچر دینے شروع کر دیئے کہ مسیح کی تعلیم محبت سے لبریز ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اگر تم ایک گال پر تھپڑ کھاوَ تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دو مگر باقی مذاہب میں یہ ظلم ہے اور وہ ظلم ہے۔ غرض اس طرح وہ تقریر کرتا کہ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ایک مسلمان روزانہ اس کے لیکچر کو سنتا اور دل ہی دل میں اس بات پر کُڑھتا کہ کوئی مولوی اس پادری کو جواب نہیں دیتا آخر کچھ عرصہ کے بعد جب اس نے دیکھا کہ لوگوں پر بُرا اثر ہو رہا ہے تو ایک دن جب وہ پادری وعظ کر رہا تھا وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ پادری صاحب! مَیں نے آپ سے ایک بات کہنی ہے اس نے بات سننے کے لئے اس کی طرف سر جُھکا دیا کہ کہو کیا کہتے ہو۔ اُس نے بجائے کوئی بات کہنے کے ہاتھ اُٹھایا اور زور سے اُس کے مُنہ پر تھپڑ مارا۔ پہلے تو پادری رُکا مگر پھر اُس نے سمجھا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ ایک اَور تھپڑ لگا دے اِس پر اُس نے بھی اُسے مارنے کے لئے اپنا ہاتھ اُٹھالیا۔ وہ کہنے لگا صاحب! آپ یہ کیا کرتے ہیں آپ کی تعلیم تو یہ ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دینا چاہئے مَیں تو اِس انتظار میں تھا کہ آپ اپنا دوسرا گال بھی میری طرف پھیر دیں گے مگر آپ تو مقابلہ پر اُتر آئے ہیں۔ وہ کہنے لگا آج مَیں انجیل پر نہیں بلکہ تمہارے نبی کی تعلیم پر ہی عمل کروں گا۔

بالشوزم کے نتیجہ میں ملک میں بغاوت پَیدا ہونے کا اندیشہ

تو بعض تعلیمیں کہنے کو بڑی اچھی ہوتی ہیں مگر عملی رنگ میں وہ نہایت ہی ناقص ہوتی ہیں۔ اِسی طرح بالشوزم کے موجودہ نظام پر نہیں جانا چاہئے وہ اِس وقت زار کے ظلموں کو یاد رکھے ہوئے ہے جس دن یہ خیال ان کے دل سے بُھولا پھر یہ طبعی احساس کہ ہماری خدمات کا ہم کو صِلہ ملنا چاہئے ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے گا نئی پَود بغاوت کرے گی اور اس تعلیم کی ایسی شناعت ظاہر ہوگی کہ ساری دنیا حیران

رہ جائے گی لیکن اسلامی طریق میں بغاوت کا کوئی امکان نہیں، سُستی ہو تو ہو کیونکہ یہ ایک طبعی بات ہے۔

ملک کے اَموال پر حکومت کو اقتدار حاصل ہونے کی ضرورت

اب مَیں اِس اہم سوال کی طرف آتا ہوں جو درحقیقت میرے مضمون کی بُنیاد ہے مگر اس سے پہلے ایک سوال ابھی باقی ہے جس کا حل کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہم اُوپر کی تمام نئی تحریکات سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تمام تحریکات باوجود اختلاف کے اِس امر میں متفق ہیں کہ حکومت کو ملک کے مال پر ایک بہت بڑا اِقتدار حاصل ہونا چاہئے۔ پُرانے ٹیکس اِس سکیم کو پورا نہیں کر سکے جو اِن مختلف نظام والوں کے ذہن میں ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اب نئے ٹیکس لگائے جائیں، نئے نئے طریق ایجاد کئے جائیں جن سے اُمراء کی دولت اُن کے ہاتھ سے نکالی جا سکے اور غرباء میں تقسیم کی جا سکے پس وہ کہتے ہیں کہ اگر غریبوں کی ضرورتیں پوری کرنی ہیں تو ٹیکس بڑھانے پڑیں گے موجودہ ٹیکسوں سے یہ مشکل حل نہیں ہوسکتی اب سوال یہ ہے کہ اسلام نے اِس بارہ میں کیا رویہ اختیار کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ تم نے زکوٰۃ کی تعلیم نکالی ہے مگر کیا تمہارے نزدیک زکوٰۃ اِس غرض کو پُورا کرسکتی ہے کہ ہر غریب کو کپڑا ملے، ہر غریب کو کھانا ملے، ہر غریب کو مکان ملے اور ہر غریب کو دَوا ملے؟ میرا دیانتدارانہ جواب یہ ہے کہ نہیں۔ یعنی میرا دیانتدارانہ جواب یہ ہے کہ اِس زمانہ کے لحاظ سے یقیناً حکومت کے ہاتھ میں اس سے زیادہ روپیہ ہونا چاہئے جتنا روپیہ پہلے اس کے ہاتھ میں زکوٰۃ وغیرہ کی صورت میں ہؤا کرتا تھا۔ پہلے گورنمنٹ پر صرف یہ ذمہ داریاں تھیں کہ وہ ٹیکس وصول کر کے سڑکیں بنائے، ہسپتال بنائے، مدرسے بنائے، فوجیں رکھے اور اسی طرح رعایا کی بہبودی کے لئے اور تدابیر عمل میں لائے مگر اب یہ ایک نئی ذمہ داری بھی گورنمنٹ پر عائد ہوتی ہے کہ دُنیا نے اپنے طور پر غریبوں کو کھانا کِھلا کر دیکھ لیا کہ وہ اسے نہیں کِھلا سکی، دُنیا نے اپنے طور پر غریبوں کو کپڑے پہنا کر دیکھ لیا کہ وہ ان کی اس ضرورت کو پورا نہیں کرسکی، دُنیا نے اپنے طور پر ان کے لئے دوا مہیّا کرنے کی کوشش کرلی مگر اس میں وہ

کامیاب نہیں ہوسکی سو اَب یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ ان تمام ضروریات کو بھی گورنمنٹ پورا کرے۔، وہ ہر شخص کو پہننے کے لئے کپڑا، کھانے کے لئے غذا، رہنے کے لئے مکان اور علاج کے لئے دوا مہیّا کرے اور اسلام بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ تمام کام حکومت کے ذمہ ہیں۔ پس جب یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ یہ کام حکومت کو کرنے چاہئیں اور جب اِسلام بھی اسے تسلیم کرتا ہے تو یہ درست ہے کہ یا تو اسلام ہمیں یہ بتائے کہ زکوٰۃ کا روپیہ یہ تمام ضرورتیں پوری کرسکتا ہے اور یا زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اَور علاج جو اِسلام نے اِس مصیبت کا کیا ہو پیش کیا جائے۔

غرباء کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے چندوں کی ضرورت

یہ ایک اہم سوال ہے جو اِس موقع پر پیدا ہوتا ہے اور جس کی طرف توجہ کرنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ اگر ہمارا یہ دعویٰ نہ ہوتا کہ اِسلام اِن تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذمّہ دار حکومت کو قرار دیتا ہے تو یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا مگر جب ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے یہ تعلیم دی کہ غریب اور امیر میں حقیقی مساوات قائم کرنی چاہئے اور اِن دونوں کو اِس حد تک ایک دوسرے کے قریب کر دینا چاہئے کہ یہ محسوس نہ ہو کہ وہ کوئی اَور مخلوق ہے اور یہ کوئی اَور مخلوق ہے بلکہ جس طرح اُمراء اپنی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اسی طرح غرباء بھی اپنی ضرورتوں کو پورا کریں وہ علاج کے بغیر نہ رہیں، وہ بھُوکے نہ رہیں، وہ ننگے نہ رہیں، وہ جاہل نہ رہیں، وہ بغیر مکان کے نہ رہیں تو پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ اس مشکل کا حل اسلامی تعلیم سے ہی کیا جائے۔ زکوٰۃ کا اِسلام نے حکم دیا تھا مگر مَیں تسلیم کر چکا ہوں کہ زکوٰۃ اِس مشکل کا پورا علاج نہیں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام اِس کمی کا کیا علاج تجویز کرتا ہے۔

سوشلزم کے نظریہ کی رو سے غرباء کی ضروریات کو پُورا کرنے کا پہلا ذریعہ اور اس کے غلط ہونے کا ثبوت

سوشلزم اِس کا ذریعہ یہ بتاتی ہے کہ مزدوروں کا حصّہ منافع میں مقرر کیا جائے یہ نہ ہو کہ انہیں ماہوار تنخواہ دی جائے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ بلکہ منافع پر ان کا انحصار ہونا چاہئے یعنی جب منافع حاصل ہو تو فیصلہ کیا جائے کہ اِس دفعہ ہمیں اِتنی آمد ہوئی ہے اِس میں سے مالک کو اِتنا

حصّہ دیا جائے اور مزدوروں کو اتنا حصّہ دیا جائے مگر ظاہر ہے کہ یہ طریق بے اصولا ہے اِس لئے کہ کسی تجارت میں نفع کم ہوگا اور کسی میں زیادہ۔ہمیں دُنیا میں روزانہ یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ دو غلّہ کے تاجر ہوتے ہیں ایک تو سارا دن بیٹھا مکھّیاں مارتا رہتا ہے اور دوسرا ہر روز اپنی تجوری بھر کر گھر میں لے آتا ہے، ایک شخص کپڑا بیچتا ہے تو روزانہ اس کے دو دوسَو تھان نکل جاتے ہیں اور دوسرا وہی کام کرتا ہے تو سارے دن میں اس کا ایک تھان بھی نہیں نکلتا۔ پس اِس فرق کی وجہ سے نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی تاجر کے ملازموں کو ایک جیسی محنت پر زیادہ آمد ہوگی اور کسی کے ملازموں کو کم ہوگی یعنی ہوشیار مالک کے ملازموں کو زیادہ آمد ہو رہی ہوگی اور دوسرے کے ملازموں کو کم، پس یہ تقسیم عقل کے بالکل خلاف ہوگی۔ اِس کے یہ معنے ہوں گے کہ پہلے تو لیاقت پر آمد کا اِنحصار ہوتا تھا پھر صرف جُوئے بازی اور اتفاق پر ہوگا اور پھر لوگ اِس بات پر لڑیں گے کہ ہم فلاں مالک کے کارخانہ میں کام کریں گے فلاں کے کارخانہ میں کام نہیں کریں گے مگر اِس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کوئی مزدور کہاں کام کرے۔ اگر کہیں سوشلزم یہ انتظام کرے گی کہ سب کارخانوں کے ملازموں کے لئے ایک اعلیٰ شرح تنخواہ مقرر کر دے گی تو پھر بھی زیادہ ہوشیار تاجر سوشلزم کے مجوّزہ منافع سے زیادہ ہی لے لے گا اور دوسرا تاجر نقصان میں رہے گا اور اِس طرح سوشلزم پھر بھی اپنی سکیم میں ناکام رہے گی اور جن کی تجارت اچھی نہ چلتی ہوگی اُن کے ملازم نفع کی جگہ اصل سرمایہ تک کھا جائیں گے اصل بات یہ ہے کہ گزارہ کے دو ہی معقول طریق ہیں۔ (۱)۔ لیاقت اور (۲)۔ اَقلّ ضرورت گزارہ کی۔ مگر یہ دونوں صورتیں اوپر کے بتائے ہوئے سوشلسٹ طریق میں نہیں پائی جاتیں۔

غرباء کی ضروریات کو پورا کرنے کا دوسرا ذریعہ

دوسری صورت سوشلزم یہ پیش کرتی ہے کہ تمام اہم صنعتیں حکومت کے قبضہ میں ہوں۔ مثلاً ریل، کانیں اور بجلی وغیرہ۔ اسی طرح اہم تجارتوں کی مناپلی اور ان پر قبضہ و تصرف حکومت کے اختیار میں ہو۔ مگر اس پر بھی کئی اعتراض پڑتے ہیں مثلاً

(۱) یہ تدبیر عالمگیر نہیں ہوسکتی بلکہ ہر ملک میں الگ الگ ہوگی حالانکہ سوال یہ تھا کہ ساری دنیا کے بھُوکوں، ساری دُنیا کے ننگوں، ساری دُنیا کے بیماروں، ساری دُنیا کے جاہلوں اور ساری دُنیا کے بے سروسامان لوگوں کا انتظام کیا جائے مگر اِس طرح ساری دُنیا کے حاجتمندوں کا علاج تو پھر بھی نہ ہوگا ہر حکومت صرف اپنے ملک کے غرباء کا ہی خیال رکھے گی پس یہ تدبیر عالمگیر نہیں ہے۔ دوسرے

مثلاً اِس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ اِس میں بھی اِنفرادی جوہر کے اظہار کے مواقع میں کمی آ جاتی ہے اور اِس طرح جسم کا خیال تو کیا جاتا ہے مگر دماغ جو زیادہ قیمتی ہے اسے نقصان پہنچ جاتا ہے۔

غرباء کی ضرورتوں کے لئے چندے حاصل کرنے کے متعلق ہٹلر اور گوئرنگ کی سکیم

نیشنلسٹ سوشلزم کی اِس بارہ میں مفصّل سکیم مجھے معلوم نہیں لیکن ہٹلر[۳۲] اور گوئرنگ[۳۳] کی اس سکیم کا مجھے علم ہے کہ سرمایہ دار جو زیادہ حصّہ قومی خدمت میں لیں انہیں حکومت کی امداد کے زیادہ مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ حکومت کو زیادہ چندے دیں گے اور قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں گے ان کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا اور انہیں ٹھیکے وغیرہ دیئے جائیں گے لیکن یہ سکیم بھی مکمل نہیں کیونکہ اِس طرح بھی پورا سرمایہ جو کافی ہو جمع نہیں ہوسکتا اور نیز اس میں یہ پہلو مذکور نہیں کہ ملک کی ضرورت کی ذمہ داری حکومت پر کس حد تک ہوگی۔

بالشوزم کے نظریہ کی رُو سے غرباء کی تکالیف دُور کرنے کی تدابیر

بالشوزم کی تدبیر یہ ہے کہ سب اہم تجارتیں اور صنعتیں حکومت کے ہاتھ میں ہوں اور زراعت پیشہ کی سب زائد آمد حکومت جبراً لے لے۔ سب دولتمندوں کی دولت جبراً چھین لے۔ اس پر جو اعتراض پڑتے ہیں پہلے بتا آیا ہوں خلاصۃً یہ کہ اس سے اِنفرادیت بالکل تباہ ہو جاتی ہے اور اس قسم کی حکومت میں جب ضُعف آئے گا اس میں معمولی تبدیلی پیدا نہ ہوگی بلکہ پھر زار جیسی حکومت قائم ہو جائے گی۔ فرانس کا تجربہ گواہ ہے بوربون خاندان نے فرانس میں فوزویت (عوام کی حکومت جو جمہوریت سے مختلف ہے) پیدا کی اور فوزویت نے بوناپارٹ[۳۴] جیسا جبّار پیدا کیا۔ اِسی طرح زار نے بالشوزم پیدا کی اور اسے کامیاب بنایا اور بالشوزم تھوڑے ہی عرصہ میں کمزور ہو کر پھر ایک نیا جبار پیدا کر دے گی۔ اِسی طرح بالشوزم میں یہ نقص ہے کہ ملک کے ایک حصّہ کو خواہ مخواہ دشمن بنا لیا گیا ہے اور اس سے دشمنوں کا سا سلوک شروع کر دیا گیا ہے یعنی سب پرانے خاندانوں اور علمی خدمت کرنے والے لوگوں کو دشمن بنا لیا گیا ہے۔

اِسلام کی سکیم ان سب سے مختلف ہے اسلام نے اوّل تو ان تینوں تحریکوں کے خلاف یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ آرام کے وہ معنی نہیں جو تم کہتے ہو یعنی تم تو آرام کی زندگی کے یہ معنے لیتے

ہو کہ سب کے لئے یکساں تعیّش کے سامان پیدا کئے جائیں، سب کے لئے سینما میں جانے کے راستے کھلے ہوں، سب کے لئے کھیلیں اور تماشے دیکھنے ممکن ہوں مگر اسلام نے آرام کی زندگی کا مفہوم یہ لیا ہے کہ امیروں کو بھی ان تعیّش کے سامانوں میں نہ پڑنے دیا جائے اور اس طرح بنی نوع انسان کو مساوات کی طرف لایا جائے۔ اصل غرض تو آرام ہے مگر اسلام آرام کے ساتھ ہی اخلاق اور معیارِ شرافت کو بھی بلند کرنا چاہتا ہے۔ پھر آرام کے متعلق اسلام اور ان تحریکات کے نظریوں میں یہ بھی فرق ہے کہ انہوں نے تعیّش کے سامان بڑھا کر آرام حاصل کرنا چاہا ہے اور اسلام کہتا ہے کہ ہم تمہیں صرف ضروریاتِ زندگی دیں گے تعیّش کی چیزیں نہیں دیں گے گویا وہ تعیّش کے سامانوں کی بجائے سب کے لئے یکساں سادہ زندگی پیش کرتا ہے اسی لئے اسلام نے ناچ گانے اور شراب وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے۔ انگلستان میں جب غرباء شور مچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں بڑی تکلیف ہے تو دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم غریبوں کو شراب کے صرف دو گلاس پینے کو ملتے ہیں اور امیر آدمی دس دس گلاس شراب پی جاتا ہے اور گورنمنٹ کہتی ہے کہ تمہارا مطالبہ بالکل بجا اور درست ہے ہم تمہیں بھی دس دس گلاس شراب مہیا کر کے دیں گے مگر اسلام کہتا ہے کہ ہم تمہاری اس شکایت کا اس رنگ میں ازالہ کریں گے کہ تمہارے دو گلاس بھی چھین لیں گے اور امیروں کے دس گلاس بھی چھین لیں گے کیونکہ یہ چیزیں جسم اور رُوح کے لئے مُضِرّ ہیں۔ اسی طرح وہاں اگر غرباء شور مچائیں تو کہتے ہیں کہ یہ امیر تو روز ناچتے ہیں مگر ہم غریبوں کے ناچنے کا کوئی سامان نہیں اور حکومت کہتی ہے بہت اچھا آئندہ گورنمنٹ خود تمہارے لئے ڈانس روم بنائے گی چنانچہ وہ امیروں سے کہتی ہے امیرو! لاؤ روپیہ کہ ہم تمہارے غریب بھائیوں کے لئے بھی ناچ گھر بنوا دیں مگر اسلام کہتا ہے ہرگز نہیں ڈانس روم بنانے سے انسانیت تباہ ہوتی ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ تمہاری انسانیت میں نقص واقع ہو اس لئے بجائے اس کے کہ ہم تمہارے لئے ڈانس روم بنائیں ہم تمہارے امیر بھائیوں کے ڈانس روم بھی گرا دیں گے تا کہ وہ بھی انسانیت کے حلقہ میں داخل ہوں اور تہذیب وشائستگی کے خلاف کسی حرکت کے مرتکب نہ ہوں۔

اسلام کا تعیّش کے سامانوں کو مٹا کر امراء اور غرباء میں مساوات قائم کرنا

تو جو چیزیں ضروریاتِ زندگی میں سے نہیں بلکہ تعیّش کے سامانوں میں سے ہیں اِسلام نے اُن کو مٹا کر غرباء اور امراء میں مساوات قائم کی ہے اور ظاہر ہے کہ یکساں تعیّش کے سامان

پیدا کرنے والی حکومتیں ہمسائیوں کو لُوٹنے سے باز نہیں رہ سکتیں لیکن یکساں سادگی پیدا کرنے والی حکومتیں دوسروں کو لوٹنے کی جگہ اپنے اُمراء کو سادہ زندگی کی طرف لانے کی کوشش کریں گی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سادہ زندگی کو محدود کرنا آسان ہے لیکن تعیّش کو محدود کرنا بہت مشکل ہے۔ پس اسلامی تعلیم یقیناً عقلی طور پر کامیابی کے زیادہ قریب ہے اور اس طرح اسلام تھوڑے سے روپیہ سے کام لے کر غرباء کی بے چینی دور کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ غرض آجکل کی حکومتیں سمجھتی ہیں کہ آرام کے معنے یہ ہیں کہ تعیّش کے سامان غریبوں کو دینا اور اسلام کہتا ہے کہ آرام کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے سامان غریبوں کو دینا اور تعیّش کے سامان امیروں غریبوں سب سے چھیننا، پس جتنے روپیہ سے عیسائیت دنیا کو آرام پہنچا سکے گی اس سے بہت کم روپیہ سے اسلام دنیا کو آرام پہنچا سکے گا۔ چنانچہ اسلام میں مَردوں کے لئے ریشم پہننا منع ہے، اسی طرح گھروں میں استعمال کے لئے چاندی سونے کے برتن رکھنا ناجائز ہے، بڑی بڑی عمارتیں بلا وجہ اور بلا ضرورت بنانا منع ہے اسی طرح عورتوں کے لئے زیادہ زیور بنانے اسلام نے منع کر دیئے ہیں، شراب سے روک دیا ہے، جوئے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ غریبوں کے دلوں میں ان چیزوں کے حصول کی کوئی خواہش ہی پیدا نہ ہو اور اس طرح جو روپیہ بچے وہ غریبوں کو دے دیا جائے۔

اسلام میں جبری ٹیکسوں کے علاوہ طوعی طور پر زائد مال وصول کرنے کی صورت

دوسری تجویز اسلام نے یہ کی ہے کہ بجائے انفرادی جدّوجہد کو مٹانے کے اسے قائم رکھ کر اور جبر کی جگہ تحریک وتحریص سے کام لے کر علاوہ جبری ٹیکسوں کے اُمراء سے ان کے زائد مال لینے کی صورت پیدا کی ہے اور ظاہر ہے کہ انفرادیت کو مٹا دینا بھی مُضِرّ ہے کیونکہ اس سے عائلیّت کے اعلیٰ جذبات اور علمی ترقی مٹ جاتی ہے اور جبری حصول بھی مُضِرّ ہے اگر کوئی ایسی سکیم ہو کہ انفرادیت بھی قائم رہے اور زائد مال تحریک وتحریص سے لے لیا جائے تو وہی سکیم دنیا میں امن کے قیام کا دَور لانے کا، سب کے لئے آرام پیدا کرنے کا اور باہمی اُلفت ومحبت بڑھانے کا ذریعہ ہو گی چنانچہ اسلام ایسا ہی کرتا ہے۔ غیر اسلامی تحریکات میں تو یہ قانون ہے کہ ہر شخص کے پاس جس قدر زائد مال ہو وہ جبر وتشدّد سے لے لو مگر اسلام کہتا ہے کہ تم کسی پر جبر نہ کرو جو جبری ٹیکس ہیں وہ تو جبر سے وصول کرو مگر اُمراء سے ان کے

زائد مال لینے کے لئے جبر سے ہرگز کام نہ لو بلکہ ترغیب وتحریص سے کام لو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اُمراء کے دِلوں میں غریبوں کی محبت پیدا ہوگی اور غریبوں کے دِلوں میں امیروں کی محبت پیدا ہوگی۔ اگر ایک شخص سے جبراً حکومت مال لے لے تو نہ اس کے دِل میں دوسروں کی محبت پیدا ہوگی اور نہ دوسروں کے دل میں اُس کی محبت پیدا ہوگی لیکن اگر کوئی اپنی مرضی سے اپنا مال لوگوں کی بھلائی کے لئے دے دے تو اس کے دل میں بھی دوسروں کی محبت پیدا ہوگی اور دوسروں کے دلوں میں بھی اس کی محبت پیدا ہوگی اس طرح انسانیت آپس میں زیادہ سے زیادہ مرتبط ہوتی چلی جائے گی۔

انفرادی جِدّ وجُہد کو قائم رکھنے کا فائدہ

پھر اِس کا ایک اَور فائدہ یہ ہے کہ جب اِنفرادی جدّوجہد قائم رہے گی تو ہر شخص پوری محنت سے کام لے کر روپیہ کمانے کی کوشش کرے گا۔ ڈاکٹر اپنے مطب کو چلائے گا، انجینئر اپنے فن میں کمال دکھلائے گا، تاجر کارخانوں کو چلائیں گے اور اس طرح دماغ ترقی کرتا چلا جائے گا اور جب وہ اپنے پاس روپیہ جمع کر لیں گے تو پھر ترغیب وتحریص کے ذریعہ ان کا مال ان سے لے لیا جائے گا۔ گویا بیک وقت دونوں فائدے حاصل ہوجائیں گے دماغ کی بھی ترقی ہوجائے گی اور روپیہ بھی مل جائے گا۔ بالشویک تحریک میں یہ نقص ہے کہ اس کے نتیجہ میں دماغی قابلیّتیں بالکل مُردہ ہو جاتی ہیں اور جو کچھ روپیہ حاصل ہوتا ہے اس کے دیتے وقت بھی امراء کے دلوں میں غرباء کی کوئی محبت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم پر جبر اور ظلم کر کے یہ روپیہ لیا جا رہا ہے لیکن اگر ڈاکٹر کو کہا جائے کہ جاؤ اور خوب کماؤ، وکیل کو کہا جائے کہ مقدمات لڑو اور خُوب فیس وصول کرو، انجینئر کو کہا جائے کہ جاؤ اور انجینئرنگ کے فن میں کمال پیدا کر کے ہزاروں روپیہ کماؤ اور پھر جب وہ روپیہ کما چکیں تو انہیں اس بات کی تحریص دلائی جائے کہ وہ اپنا روپیہ اپنے غریب بھائیوں کی ضرورتوں پر بھی خرچ کریں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خوشی سے ہزاروں روپیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے ان کی اُمنگیں بھی قائم رہیں گی اور انہیں ظلم کا احساس بھی نہ ہوگا بلکہ وہ دیتے وقت خوش ہوں گے کہ ان کا روپیہ ان کے غریب بھائیوں کے کام آنے لگا ہے پس ان کا زائد مال اگر ترغیب وتحریص سے لیا جائے تو عدل وانصاف بھی قائم ہوگا اور باہمی محبت بڑھانے کا بھی یہ ایک یقینی ذریعہ ہوجائے گا۔

جبری طور پر دوسروں کے اَموال پر جبراً قبضہ کرنے کے نقصانات

اِس کے مقابلہ میں جس شخص سے جبراً حکومت مال لے لے تم سمجھ سکتے ہو اس کے دل میں غریبوں کی محبت کہاں پیدا ہوگی۔ حکومت کے کارندے تو اس سے جبراً مال وصول کرلیں گے مگر اس کے دماغ میں غریبوں کی دشمنی گھر کر جائے گی اور وہ ہر وقت یہی کہے گا کہ خدا اس حکومت کا بیڑا غرق کرے جو ہم پر ظلم کر رہی ہے اور خدا ان غریبوں کا بھی بیڑا غرق کرے جن کی وجہ سے ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف غریبوں کے دِلوں میں بھی کوئی محبت پیدا نہیں ہوگی وہ کہیں گے امیر واقعہ میں بڑے ظالم تھے اچھا ہؤا کہ حکومت نے ان کا مال واسباب لوٹ لیا لیکن اگر تحریص وترغیب کے نتیجہ میں غرباء کی محبت کا احساس کرتے ہوئے کوئی شخص چند پیسے بھی دے تو اس کے دل میں غریبوں کی محبت پیدا ہوگی اور غریب بھی کہیں گے کہ فلاں شخص بڑا نیک ہے اللہ اس کے مال میں برکت دے وہ ہم غریبوں کا خیال رکھتا ہے۔ تو چیز وہی ہوگی مگر ادھر امیروں کے دلوں میں غریبوں کی محبت پیدا ہوگی اور ادھر غریبوں کے دلوں میں امیروں کی محبت پیدا ہوگی اور دماغ کی نشوونما بھی ہوتی رہے گی چنانچہ اسلام نے یہی طریق اختیار کیا ہے۔

اسلام کا اُمراء سے جبری ٹیکسوں کے علاوہ طَوعی ٹیکسوں کا مطالبہ

اس لئے اسلام نے زکوٰۃ اور عُشر وغیرہ جبری ٹیکس بھی لگا دیئے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّھۡلُکَۃِ وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۳۵

یعنی تم مقررہ ٹیکس بھی دو مگر اس کے علاوہ ہم تم سے بعض طَوعی ٹیکس بھی مانگتے ہیں اور تمہارا فرض ہے کہ تم اِن دونوں میں حصّہ لو۔

چنانچہ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہ ہمیشہ غرباء کی امداد کے لئے روپیہ دیتے رہو۔ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّھۡلُکَۃِ اور اپنے نفسوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ یعنی اَے مالدارو! اگر تم اپنے زائد مال خوشی سے دے دو گے تو وہ تو زائد ہی ہیں تم کو کوئی حقیقی نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر ایسا نہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے رُوس کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو جو زارِ رُوس اور رُوسی امراء یا

فرانس کے امراء کا حال ہؤا وہی تمہارا ہو گا آخر عوام ایک دن تنگ آ کر لوٹ مار پر اتر آئیں گے اور شاہ پوری محاورہ کے مطابق دعائے خیر پڑھ دیں گے۔ حضرت خلیفہ اوّل اِس محاورہ کی تشریح یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے علاقہ میں کچھ مدّت پہلے زمیندار بنیے سے قرض لیتے چلے جاتے تھے اور بنیا بھی دیتا چلا جاتا تھا کچھ عرصہ تک تو انہیں اس کا احساس نہیں ہوتا تھا مگر جب سب علاقہ اس بنیے کا مقروض ہو جاتا اور زمینداروں کی سب آمد اس کے قبضے میں چلی جاتی تو یہ دیکھ کر اس علاقہ کا کوئی بڑا زمیندار تمام چوہدریوں کو اکٹھا کرتا اور کہتا کہ بتاؤ اس بنیے کا قرض کتنا ہے وہ بتاتے کہ اِتنا اِتنا قرض ہے۔ اس پر وہ دریافت کرتا کہ اچھا پھر اِس قرض کے اُترنے کا کوئی ذریعہ ہے یا نہیں وہ جواب دیتے کہ ہمیں تو کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ اس پر وہ کہتا کہ اچھا تو پھر دعائے خیر پڑھ دو چنانچہ وہ سب دعائے خیر پڑھ دیتے اور اس کے بعد سب ہتھیار لے کر بنیے کے مکان کی طرف چل پڑتے اور اُسے قتل کر دیتے اور اس کی بَہی اور کھاتے سب جَلا دیتے۔

جَبری ٹیکسوں کے علاوہ زائد اَموال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی وجہ سے قوموں کی ہلاکت

اللہ تعالیٰ اِس آیت میں ایسی ہی حالت کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ دیکھو ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس زائد مال ہو تو اُسے خدا تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دیا کرو اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی بے شک کماؤ تو خوشی سے مگر اس دولت کو اپنے گھر میں نہ جمع رکھا کرو ورنہ کسی دن لوگ تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ پھر فرماتا ہے وَاَحْسِنُوْا بلکہ اس سے بڑھ کر نیکی کرو اور وہ اِس طرح کہ تم خود اپنی ضرورتوں کو کم کر کے اور مال بچا کر خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیا کرو مگر یاد رکھو کہ یہ عمل تم لوگوں سے ڈر کر نہ کرو بلکہ خوشی سے کرو۔ اگر تم ڈر کر کرو گے تو غریبوں کی مدد تو ہو جائے گی مگر خدا خوش نہیں ہو گا لیکن اگر خوشی سے یہ قربانی کرو گے تو غریب بھی خوش ہوں گے، تم بھی ہلاکت سے بچ جاؤ گے اور اللہ بھی تم پر خوش ہو گا۔ پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ پھر ہماری کمائی کا صِلہ ہم کو کیا ملا؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس کا صِلہ مال سے زیادہ ملے گا اور وہ تمہارے پیدا کرنے والے خدا کی محبت ہے۔ تمہاری دنیا کے ساتھ تمہاری آخرت بھی درست ہو جائے گی اور تم دونوں جہانوں میں آرام اور سُکھ سے زندگی بسر کرو

گے۔ دیکھو اس تعلیم کے ساتھ باوجود انفرادیت اور عائلیّت جیسی ضروری چیزوں کی حفاظت کا وہ مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے جسے بالشوزم پُورا کرنا چاہتی ہے۔

ہر زمانہ میں غرباء کی ضروریات پورا کرنے والی اسلامی تعلیم

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ہوئی لفظی تعلیم تم کہتے تھے کہ اسلام غرباء کے کھانے کا بھی انتظام کرتا ہے، ان کے کپڑے کا بھی انتظام کرتا ہے، ان کے مکان کا بھی انتظام کرتا ہے اور ان کے علاج اور تعلیم کا بھی انتظام کرتا ہے مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ اسلام اس میں کامیاب بھی ہؤا ہے یا نہیں؟ اگر کامیاب ہو چکا ہے تو ہمیں اس کا کوئی نمونہ دکھاؤ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم وہی کامیاب اور اعلیٰ ہوتی ہے جو ہر زمانہ کے مطابق سامان پیدا کرے یعنی وہ لچکدار ہو اور اپنے مقصد کو زمانہ کی ضرورت کے مطابق پورا کرے۔ جو تعلیم لچکدار نہیں ہوگی وہ کسی جگہ کام دیگی اور کسی جگہ کام نہیں دے گی۔ جیسے اگر کوئی لکڑی کا تختہ ہو تو وہ ہر جگہ کام نہیں آ سکے گا اگر جگہ چھوٹی ہوگی تو لازماً وہاں لکڑی کا تختہ کام نہیں دے سکے گا کیونکہ وہ اس میں سمائے گا نہیں لیکن اگر کسی کے پاس چادر ہو تو چھوٹی جگہ پر وہ سمیٹی جا سکے گی اور بڑی جگہ پر پھیلائی جا سکے گی۔ پس تعلیم وہی کامیاب ہوتی ہے جس میں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق لچک پیدا ہو سکے۔ اس قسم کی لچک نہ ہو جو آج کل کے نَو تعلیم یافتہ مراد لیتے ہیں کہ انہوں نے اس لچک میں سارا قرآن ہی ختم کر دیا ہو۔

ابتدائے اسلام میں غرباء کی ضرورتیں پوری کرنے کا طریقہ

اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی ضرورت کے مطابق یہ تعلیم کُلّی طور پر کامیاب رہی ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں نہ صرف سادگی پر عمل کرایا گیا بلکہ جب حکومت کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوئی تو تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ علاوہ زکوٰۃ کے غرباء کی سب ضرورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چندوں سے پوری فرمایا کرتے تھے اور اس ضمن میں بعض دفعہ صحابہؓ بڑی بڑی قربانیاں کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک وقت اپنا سارا مال دے دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک وقت قریباً سارا مال دے دیا اور یہ زکوٰۃ نہ تھی۔ پس جس قدر ضرورت تھی اس کے مطابق اس تعلیم نے کام دے دیا اور

یہ طریق اس زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے بالکل کافی تھا۔

خلفائے اسلام کے زمانہ میں منظّم طور پر غرباء کی ضروریات کو پورا کرنے کی جدوجہد

جب حکومت زیادہ پھیلی اور خلفاء کا زمانہ آیا تو اس وقت منظّم رنگ میں غرباء کی ضروریات کو پورا کرنے کی جدوجہد کی جاتی تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسے رجسٹر بنائے گئے جن میں سب لوگوں کے نام ہوتے تھے اور ہر فرد کے لئے روٹی اور کپڑا مہیا کیا جاتا تھا اور فیصلہ کیا جاتا تھا کہ فی مرد اتنا غلہ، اتنا گھی، اتنا کپڑا اور اتنی فلاں فلاں چیز دی جائے۔ اسی طرح ہر شخص کو چاہے وہ امیر ہو یا غریب اس کی ضروریاتِ زندگی مہیا ہو جاتی تھیں اور یہ طریق اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل کافی تھا۔ آج دنیا یہ خیال کرتی ہے کہ بالشوزم نے یہ اصول ایجاد کیا ہے کہ ہر فرد کو اس کی ضروریاتِ زندگی مہیا کی جانی چاہئیں حالانکہ یہ طریق اسلام کا پیش کردہ ہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس پر منظّم رنگ میں عمل بھی کیا جا چکا ہے بلکہ یہاں تک تاریخوں میں آتا ہے کہ شروع میں حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا تھا اس میں ان چھوٹے بچوں کا جو شیرخوار ہوں خیال نہیں رکھا گیا تھا اور اسلامی بیت المال سے اُس وقت بچے کو مدد ملنی شروع ہوتی تھی جب ماں بچے کا دودھ چُھڑا دیتی تھی۔ یہ دیکھ کر ایک عورت نے اپنے بچے کا دودھ چُھڑا دیا تا کہ بیت المال سے اس کا بھی وظیفہ مل سکے۔ ایک رات حضرت عمرؓ گشت لگا رہے تھے کہ آپ نے ایک جھونپڑی میں سے ایک بچے کے رونے کی آواز سُنی حضرت عمرؓ اندر گئے اور پوچھا کہ یہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔ اس عورت نے کہا عمرؓ نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جب تک بچہ دودھ پینا نہ چھوڑے اس کا وظیفہ نہیں لگ سکتا اس لئے میں نے اس بچے کا دودھ چُھڑا دیا ہے تا کہ وظیفہ لگ جائے اور اسی وجہ سے یہ رو رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا واہ عمر معلوم نہیں تُو نے کتنے عرب بچوں کا دودھ چُھڑوا کر آئندہ نسل کو کمزور کر دیا ہے چنانچہ اس کے بعد انہوں نے حکم دے دیا کہ پیدائش سے ہی ہر بچے کو وظیفہ ملا کرے۔ پس اُس وقت یہ انتظام تھا اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ انتظام اس وقت کی ضروریات اور اس زمانہ کے لحاظ سے کافی تھا۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس زمانہ میں غربت اور امارت میں وہ بُعد نہ تھا جو اَب ہے۔ اس وقت مقررہ ٹیکس اور حکومت اور افراد کو صاحبِ دولت لوگوں کی بروقت امداد ان اغراض کو پورا کر دیتی تھی۔ تجارتی

مقابلہ اس وقت اس قدر نہ تھا جو اَب ہے۔ مقابل کی حکومتیں اس طرح ہمسایہ ملکوں کی دولت کو باقاعدہ نہ لُوٹتی تھیں جیسا کہ اب لُوٹتی ہیں اس لئے ہم مانتے ہیں کہ وہ انتظام آج کارگر نہیں ہو سکتا لیکن اصولی لحاظ سے وہ تعلیم آج بھی کارگر ہے۔ اس وقت بغیر اس کے کہ کوئی نیا طریق ایجاد کیا جاتا اسی آمدن سے جو مقررہ ٹیکسوں یا طوعی چندوں سے حاصل ہوتی تھی گذارہ چلایا جا سکتا تھا پس اس وقت اسے کافی سمجھا گیا مگر وہ انتظام آج کافی نہیں ہوسکتا۔

آجکل کا زمانہ منظّم زمانہ ہے اس وقت دنیا کی بے چینی کو دیکھ کر حکومتوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ملک کی بیشتر دولت ان کے ہاتھ میں ہو اور اگر مذکورہ بالا تحریکیں کامیاب ہوئیں یعنی ان میں سے کوئی ایک کامیاب ہوئی تو لازماً افراد کے ہاتھ میں روپیہ کم رہ جائے گا اور حکومتوں کے ہاتھ میں زیادہ چلا جائے گا۔ بالشوزم کامیاب ہو تب بھی اور شوشلزم کامیاب ہو تب بھی نتیجہ یہی ہو گا کہ افراد کے ہاتھ میں روپیہ کم رہ جائے گا اور ملک کی بیشتر دولت پر حکومت کا قبضہ ہو جائے گا لیکن علاوہ مذکورہ بالا نقائص کے جو اوپر بیان ہو چکے ہیں یہ نقصان بھی ہوگا کہ گو بعض ممالک زیادہ امن میں آ جائیں گے مگر بعض دوسرے ممالک زیادہ دُکھ میں پڑ جائیں گے۔

موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کے پیشِ نظر غرباء کو آرام بہم پہنچانے کے لئے ایک نئے نظام کی ضرورت

اس نظام کے مقابلہ میں اسلامی تعلیم کو معیّن صورت دینے کے لئے جو جامہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کے لئے بنایا گیا تھا وہ آج یقیناً کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ اَب حالات مختلف ہیں۔ اسی طرح بعد میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے ان احکام کو جو صورت دی تھی وہ آج کامیاب نہیں ہوسکتی پس ضرورت ہے کہ اس موجودہ دور میں اسلامی تعلیم کا نفاذ ایسی صورت میں کیا جائے کہ وہ نقائص بھی پیدا نہ ہوں جو اِن دُنیوی تحریکوں میں ہیں اور اس قدر روپیہ بھی اسلامی نظام کے ہاتھ میں آ جائے جو موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے مساوات کو قائم رکھنے اور سب لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ خلفاء نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے اسلام کے احکام کی تعبیر کی جیسے میں نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باقاعدہ مردم شماری ہوتی تھی ہر شخص کا نام رجسٹروں میں درج ہوتا تھا اور اسلامی بیت المال اس امر کا ذمہ دار ہوتا تھا کہ ہر شخص کی جائز ضروریات

کو پورا کرے۔ پہلے جس قدر روپیہ آتا تھا وہ سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک اسلامی خزانہ ہو اور دوسرے لوگوں کے بھی حقوق ہیں اس لئے اب تمام روپیہ سپاہیوں میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے ایک بہت بڑے حصہ کو محفوظ رکھا جائے گا چنانچہ اس روپیہ سے ملک کے غرباء کو گذارہ دیا جاتا تھا۔

غرض خلفاء نے اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے اسلام کے احکام کی تعبیر کی مگر موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسی اور نظام کی ضرورت تھی اور اس نظام کے قیام کے لئے ضروری تھا کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے اور وہ ان تمام دکھوں اور دردوں کو مٹانے کے لئے ایسا نظام پیش کرے جو زمینی نہ ہو بلکہ آسمانی ہو اور ایسا ڈھانچہ پیش کرے جو ان تمام ضرورتوں کو پورا کر دے جو غرباء کو لاحق ہیں اور دنیا کی بے چینی کو دور کر دے۔ اب ہر شخص جو تسلیم کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی موعود کی بعثت کی خبر دی ہے، ہر شخص جو تسلیم کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مسیح اور مہدی کے آنے کی خوشخبری دی ہے لازماً اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس زمانہ میں جو فتنہ وفساد اور دُکھ نظر آ رہا ہے اس کے دور کرنے کا کام بھی اسی مأمور کے سپرد ہونا چاہئے تا کہ وہ نقائص بھی پیدا نہ ہوں جو بالشوزم کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ نتائج بھی پیدا نہ ہوں جو سوشلزم کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ نقائص بھی پیدا نہ ہوں جو نیشنل سوشلزم کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں دنیا کو کھانا بھی مل جائے، دنیا کو کپڑا بھی مل جائے، دنیا کو مکان بھی مل جائے، دنیا کو دوا بھی مل جائے اور دنیا کو تعلیم بھی میسر آ جائے پھر دماغ بھی کمزور نہ ہو، انفرادیت اور عائلیت کے اعلیٰ جذبات بھی تباہ نہ ہوں، ظلم بھی نہ ہو، لوگوں کو لُوٹا بھی نہ جائے، امن اور محبت بھی قائم رہے لیکن روپیہ بھی مل جائے۔

موجود زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق دنیا سے دُکھ کو دُور کرنے کی خاتم الخلفاء کی سکیم

پس موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے خاتم الخلفاء کا فرض تھا کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق کوئی سکیم تیار کرتا اور دنیا سے اس مصیبت کا خاتمہ کر دیتا۔ چنانچہ جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا اس نے خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے سامان بہم پہنچا دیئے ہیں۔

غرباء کی تکلیف دور کرنے کے لئے

میں اوپر بتا چکا ہوں کہ اسلامی سکیم کے اہم اصول یہ ہیں:۔

اسلامی سکیم اور اس کے اہم اصول

اول: سب انسانوں کی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔

دوم: مگر اس کام کو پورا کرتے وقت انفرادیت اور عائلی زندگی کے لطیف جذبات کو تباہ نہ ہونے دیا جائے۔

تیسرے: یہ کام مالداروں سے طَوعی طور پر لیا جائے اور جبر سے کام نہ لیا جائے۔

چوتھے: یہ نظام ملکی نہ ہو بلکہ بَیْنَ الْاَقوامی ہو۔ آج کل جس قدر تحریکات جاری ہیں وہ سب کی سب ملکی ہیں مگر اسلام نے وہ تحریک پیش کی ہے جو ملکی نہیں بلکہ بَیْنَ الْاَقوامی ہے۔

اسلامی تعلیم کی ساری خوبی ان چاروں اصول میں مرکوز ہے۔ اگر یہ چاروں اصول کسی تحریک میں پائے جاتے ہوں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ تحریک سب سے بہتر اور سب تحریکات سے زیادہ مکمل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ۱۹۰۵ء میں دنیا سے دُکھ کو دور کرنے والے نئے نظام کی بنیاد

اب میں بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان چاروں مقاصد کو اس زمانہ کے مأمور، نائبِ رسول اللہؐ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے کس طرح پورا کیا اور کس طرح اسلامی تعلیم کے عین مطابق دنیا کے ایک نئے نظام کی بنیاد رکھ دی۔ یہ بالشوزم، سوشلزم اور نیشنل سوشلزم کی تحریکیں سب جنگ کے بعد کی پیدائش ہیں۔ ہٹلر جنگ کے بعد کی پیدائش ہے، مسولینی[۳۶] جنگ کے بعد کی پیدائش ہے اور سٹالن جنگ کے بعد کی پیدائش ہے۔ غرض یہ ساری تحریکیں جو دنیا میں ایک نیا نظام قائم کرنے کی دعویدار ہیں۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۱ء کے گرد چکر لگا رہی ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے مأمور نے نئے نظام کی بنیاد ۱۹۰۵ء میں رکھ دی تھی اور وہ ''الوصیت'' کے ذریعہ رکھی تھی۔

قرآن مجید میں مختلف ضرورتوں کے وقت طَوعی قربانیاں کرنے کی طرف اشارہ

قرآن کریم نے اصولی طور پر فرمایا تھا اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

مگر اس تعلیم میں خدا تعالیٰ نے طوعی قربانیوں کے کوئی معیّن اصول مقرر نہ فرمائے تھے صرف یہ کہا تھا کہ اے مسلمانو! تمہیں علاوہ جبری ٹیکسوں کے بعض اور ٹیکس بھی دینے پڑیں گے مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ٹیکس کتنے ہوں گے اور ان کی معیّن صورت کیا ہو گی۔ اگر کسی زمانہ میں اسلامی حکومت کو سَو میں سے ایک روپیہ کی ضرورت ہوتی تھی تو خلیفۂ وقت کہہ دیا کرتا تھا کہ اے بھائیو! اپنی مرضی سے سَو میں سے ایک روپیہ دے دو اور اگر کسی زمانہ میں اسلامی حکومت کو سو میں سے دو روپیہ کی ضرورت ہوتی تھی تو خلیفہ وقت کہہ دیا کرتا تھا کہ اے بھائیو! اپنی مرضی سے سو میں سے دو روپے دے دو اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اس کی الگ الگ تعبیر کی گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ وقتاً فوقتاً زائد چندے مانگ لئے اور خلفاء نے اپنے زمانہ کے مطابق اس کی اس طرح تعبیر کی کہ جو اموال فوجوں میں تقسیم کرنے کے لئے آیا کرتے تھے ان کے ایک بڑے حصہ کو محفوظ کر لیا اور سپاہیوں سے کہا کہ تم اپنی خوشی سے اپنا حق چھوڑ دو اور حضرت مسیح موعود نے اپنے زمانہ کے مطابق تعبیر کر لی۔ اگر اسلامی حکومت نے ساری دنیا کو کھانا کِھلانا ہے، ساری دنیا کو کپڑے پہنانا ہے، ساری دنیا کی رہائش کے لئے مکانات کا انتظام کرنا ہے، ساری دنیا کی بیماریوں کے لئے علاج کا انتظام کرنا ہے، ساری دنیا کی جہالت کو دور کرنے کے لئے تعلیم کا انتظام کرنا ہے تو یقیناً حکومت کے ہاتھ میں اس سے بہت زیادہ روپیہ ہونا چاہئے جتنا پہلے زمانہ میں ہؤا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اعلان فرمایا کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جو حقیقی جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ انتظام فرمایا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے اپنے مال کے کم سے کم دسویں حصہ کی اور زیادہ سے زیادہ تیسرے حصہ کی وصیت کر دیں اور آپ فرماتے ہیں ان وصایا سے جو آمد ہو گی ''وہ ترقیٔ اسلام اور اشاعتِ علمِ قرآن و کُتبِ دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے'' خرچ ہو گی۔ (شرط نمبر ۲)

اسی طرح ہر ایک امر جو مصالح اشاعتِ اسلام میں داخل ہے جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے وہ تمام امور اِن اموال سے انجام پذیر ہوں گے۔ (شرط نمبر ۲)

یعنی اسلام کی تعلیم کو دنیا میں قائم اور راسخ کرنے کے لئے جس قدر امور ضروری ہیں اور جن کی تعبیر کرنا قبل از وقت ہے ہاں اپنے زمانہ میں کوئی اور شخص ان امور کو کھولے گا ان تمام امور کی سرانجام دہی کے لئے یہ روپیہ خرچ کیا جائے گا۔

الوصیّت کے نئے نظام کا ذکر

یہ وہ تعلیم ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی۔ آپ صاف فرماتے ہیں کہ ہر ایک امر جو مصالح اشاعتِ اسلام میں داخل ہے اور جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے اس پر یہ روپیہ خرچ کیا جائے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ایسے امور بھی ہیں جن کو ابھی بیان نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب دنیا چلّا چلّا کر کہے گی کہ ہمیں ایک نئے نظام کی ضرورت ہے تب چاروں طرف سے آوازیں اٹھنی شروع ہو جائیں گی کہ آؤ ہم تمہارے سامنے ایک نیا نظام پیش کرتے ہیں۔ روس کہے گا آؤ میں تم کو نیا نظام دیتا ہوں، ہندوستان کہے گا آؤ میں تم کو نیا نظام دیتا ہوں، جرمنی اور اٹلی کہے گا آؤ میں تم کو ایک نیا نظام دیتا ہوں، امریکہ کہے گا آؤ میں تم کو نیا نظام دیتا ہوں، اس وقت میرا قائم مقام قادیان سے کہے گا کہ نیا نظام ''الوصیت'' میں موجود ہے اگر دنیا فلاح و بہبود کے رستہ پر چلنا چاہتی ہے تو اس کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ ''الوصیت'' کے پیش کردہ نظام کو دنیا میں جاری کیا جائے۔

وصیت کے اَموال میں تیامیٰ، مساکین اور کافی وجُوہِ معاش نہ رکھنے والے نَومُسلموں کا حق

پھر آپ فرماتے ہیں ''ان اموال میں سے اُن یتیموں اور مسکینوں کا بھی حق ہو گا جو کافی طور پر وجوہِ معاش نہیں رکھتے'' (شرط نمبر ۲)

پھر فرماتے ہیں ''جائز ہوگا کہ انجمن باتّفاق رائے اس روپیہ کو تجارت کے ذریعہ سے ترقی دے''۔ (ضمیمہ شرط نمبر ۹) یعنی ان اموال کے ذریعہ تجارت کرنی بھی جائز ہوگی اور تمہیں اس بات کی اجازت ہوگی کہ لوگوں سے ان کے اموال کا دسواں یا آٹھواں یا پانچواں یا تیسرا حصہ لو اور پھر تجارت کر کے اس مال کو بڑھالو۔

نئے نظام سے باہر رہنے والے کے لئے ایمان کا خطرہ

پھر فرماتے ہیں ہر مؤمن کے ایمان کی آزمائش اس میں ہے کہ وہ اس نظام میں داخل ہو اور خدا تعالیٰ کے خاص فضل حاصل کرے۔ صرف منافق ہی اس نظام سے باہر رہے گا۔ گویا کسی پر جبر نہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس میں تمہارے ایمانوں کی آزمائش ہے اگر تم جنت لینا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم یہ قربانی کرو، ہاں اگر جنت کی قدر و قیمت تمہارے دل میں نہیں تو اپنے مال اپنے پاس رکھو

ہمیں تمہارے اموال کی ضرورت نہیں۔

بالشوزم اور الوصیۃ کے ذریعہ لئے ہوئے اَموال میں ایک فرق

پھر دیکھو بالشوزم لوگوں سے ان کے اموال جبراً چھینتی ہے مگر آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرتد ہو جائے تو اس کا مال اسے واپس کر دو کیونکہ خدا کسی کے مال کا محتاج نہیں اور خدا کے نزدیک ایسا مال مکروہ اور ردّ کرنے کے لائق ہے (ضمیمہ شرط نمبر ۱۲) یہ کتنا عظیم الشان فرق ہے کہ دنیا جس نظامِ نَو کو پیش کرتی ہے اس میں وہ جبراً لوگوں سے ان کے اموال چھینتی ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس نظامِ نَو کو پیش فرماتے ہیں اس میں طَوعی قربانیوں پر زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرتد ہو جائے تو اس کا مال اسے واپس کر دو کیونکہ ایسا مال مردود ہے اور اس قابل نہیں کہ اسے اپنے پاس رکھا جائے۔

بالشوزم کے مقابل الوصیّۃ کے ذریعہ نہایت پُر امن طریقہ سے مقصد کا حصول

ان اصول کو مدنظر رکھ کر دیکھو کہ کس طرح وہی مقصد جسے بالشوزم نے خون میں ہاتھ رنگ کر ادھورے طور پر پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محبت اور پیار سے اس مقصد کو زیادہ مکمل طور پر پورا کر دیا ہے۔ بالشوزم آخر کیا کہتی ہے؟ یہی کہ امیروں سے ان کی جائدادیں چھین لو تا غریبوں پر خرچ کی جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی جائدادیں اسلامی منشاء کے مطابق اور اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق محبت و پیار سے لے لیں اور فرمایا کہ تم سب اپنی اپنی جائدادوں کا کم سے کم دسواں حصہ دو جو یتامیٰ اور مساکین پر خرچ کیا جائے گا اور اشاعتِ اسلام کا کام اس سے لیا جائے گا۔ اس وصیت کے قانون کے مطابق ہر وصیت کرنے والا احمدی اپنی جائداد کا ۱/۱۰ سے ۱/۳ حصہ اپنی مرضی سے اپنے اُخروی فائدہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے اسلام اور بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے دیتا ہے۔

تمام دنیا کے احمدی ہو جانے کی صورت میں عظیم الشان اِنقلاب

اگر ساری دنیا احمدی ہو جائے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساری دنیا سے یہ مطالبہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ تمہارے ایمانوں کی آزمائش کرنا چاہتا ہے اگر تم سچے مؤمن ہو، اگر تم جنت کے

طلبگار رہو، اگر تم خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی جائدادوں کا ۱/۱۰ سے ۱/۳ حصہ اسلام اور مصالح اسلام کی اشاعت کے لئے دے دو اس طرح ساری دنیا کی جائدادیں قومی فنڈ میں آ جائیں گی اور بغیر کسی قسم کے جبر اور لڑائی کے اسلامی مرکز صرف ایک نسل میں تمام دنیا کی جائدادوں کے ۱/۱۰ سے ۱/۳ حصہ کا مالک بن جائے گا اور اس قومی فنڈ سے تمام غرباء کی خبر گیری کی جاسکے گی۔

چند نسلوں میں ہی تمام احمدیوں کی جائدادیں نظامِ احمدیت کے قبضہ میں

پھر یہ یاد رکھو کہ وصیت صرف پہلی نسل کے لئے نہیں ہے بلکہ دوسری نسل کے لئے بھی ہے اور اس سے بھی انہی قربانیوں کا مطالبہ ہے اور چونکہ وصیت سے دنیا کے سامنے جنت پیش کی جا رہی ہے اگلی نسل اس کو لینے سے کس طرح انکار کرے گی پس دوسری نسل پھر اپنی خوشی سے بقیہ جائداد کا ۱/۱۰ سے ۱/۳ حصہ قومی ضرورتوں کے لئے دے دے گی اور پھر تیسری اور پھر چوتھی نسل بھی ایسا ہی کرے گی اور اس طرح چند نسلوں میں ہی احمدیوں کی جائدادیں نظامِ احمدیت کے قبضہ میں آ جائیں گی۔ فرض کرو سب دنیا احمدی ہو جائے تو اس کا نتیجہ جانتے ہو کیا نکلے گا یہی کہ چند نسلوں میں اپنی خوشی سے ساری دنیا اپنی جائدادیں قومی کاموں کے لئے دے دے گی اور اس کی انفرادیت بھی تباہ نہ ہوگی، عائلی نظام بھی تباہ نہ ہوگا اور پھر لوگ اپنے لئے اور اپنی اولادوں کے لئے اور دولت پیدا کریں گے اور پھر اپنی خوشی سے اس کا ۱/۱۰ سے ۱/۳ حصہ قومی ضرورتوں کے لئے دے دیں گے پھر یہ سارا مال چند نسلوں میں قومی فنڈ میں منتقل ہو جائے گا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا چلا جائے گا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لو کہ اگر کسی شخص کے پاس سو روپے ہوں اور وہ پانچویں حصہ کی وصیت کرے تو بیس روپے قومی فنڈ میں آ جائیں گے اور اسّی روپے اس کے پاس رہیں گے جو اس کے لڑکے کو ملیں گے۔ پھر مثلاً اس کا لڑکا اگر اسّی روپے کے ۱/۵ حصہ کی وصیت کر دے گا تو سولہ روپے اور قومی فنڈ میں آ جائیں گے۔ گویا ۳۶ فیصدی قومی فنڈ میں آ جائے گا اور ۶۴ فیصدی اس کے پاس رہ جائے گا۔ پھر مثلاً اس کا لڑکا اس ۶۴ فیصدی کے پانچویں حصہ کی وصیت کرے گا تو اندازاً بارہ روپے اور قومی فنڈ میں آ جائیں گے گویا اڑتالیس فیصدی کی مالک حکومت ہو جائے گی اور باون فیصدی اس خاندان کے پاس رہ جائے گا اس کے بعد اس کا لڑکا مثلاً باون روپوں کے

پانچویں حصہ کی وصیت کر دے گا تو دس روپے ان کے ہاتھ سے اور نکل جائیں گے اس طرح قومی فنڈ میں اٹھاون فیصدی آ جائے گا اور اس خاندان کے پاس صرف بیالیس فیصدی رہ جائے گا۔ غرض وہی مقصد جو بالشوزم کے ماتحت تلوار اور خونریزی سے حاصل کیا جاتا ہے اگر وصیت کا نظام وسیع طور پر جاری ہو جائے تو مقصد بھی حل ہو جائے فساد اور خونریزی بھی نظر نہ آئے، آپس میں محبت اور پیار بھی رہے، دنیا میں کوئی بھوکا اور ننگا بھی دکھائی نہ دے اور چند نسلوں میں انفرادیت کی روح کو تباہ کئے بغیر قومی فنڈ میں دنیا کی تمام جائدادیں منتقل ہو جائیں۔

وصیت کا نظام ملکی نہ ہوگا بلکہ بَیْنَ الْاَقوامی ہوگا

پھر یہ نظام ملکی نہ ہوگا بلکہ بوجہ مذہبی ہونے کے بَیْنَ الْاَقوامی ہوگا۔ انگلستان کے سوشلسٹ وہی نظام پسند کرتے ہیں جس کا اثر انگلستان تک محدود ہو، روس کے بالشویک وہی نظام پسند کرتے ہیں جس کا اثر روس تک محدود ہو مگر احمدیت ایک مذہب ہے وہ اس نئے نظام کی طرف روس کو بھی بُلاتی ہے، وہ جرمنی کو بھی بُلاتی ہے، وہ انگلستان کو بھی بُلاتی ہے، وہ امریکہ کو بھی بُلاتی ہے، وہ ہالینڈ کو بھی بُلاتی ہے، وہ چین اور جاپان کو بھی بُلاتی ہے پس جو روپیہ احمدیت کے ذریعہ اکٹھا ہوگا وہ کسی ایک ملک پر خرچ نہیں کیا جائے گا بلکہ ساری دنیا کے غریبوں کے لئے خرچ کیا جائے گا، وہ ہندوستان کے غرباء کے بھی کام آئے گا، وہ چین کے غرباء کے بھی کام آئے گا، وہ جاپان کے غرباء کے بھی کام آئے گا، وہ افریقہ کے غرباء کے بھی کام آئے گا، وہ عرب کے غرباء کے بھی کام آئے گا، وہ انگلستان، امریکہ، اٹلی، جرمنی اور روس کے غرباء کے بھی کام آئے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیش کردہ عالمگیر اخوّت بڑھانے والا نظام

غرض وہ نظام جو دنیوی ہیں وہ قومیت کے جذبہ کو بڑھاتے ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ نظام پیش کیا ہے جو عالمگیر اخوّت کو بڑھانے والا ہے۔ پھر روس میں تو روس کا باشندہ روس کے لئے جبراً اپنی جائداد دیتا ہے لیکن وصیت کے نظام کے ماتحت ہندوستان کا باشندہ اپنی مرضی سے سب دنیا کے لئے دیتا ہے، مصر کا باشندہ اپنی مرضی سے اپنی جائداد سب دنیا کے لئے دیتا ہے، شام کا باشندہ اپنی مرضی سے اپنی جائداد ساری دنیا کے لئے دیتا ہے یہ کتنا نمایاں فرق ہے اسلامی نظامِ نَو اور دُنیوی نظامِ نَو میں؟

اسلامی نظامِ نَو کے ماتحت غرباء کے لئے جائدادیں دینے والوں کے دلوں میں انتہائی بشاشت اور سرور

پھر روسی نظام چونکہ جبر سے کام لیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے مالدار روس سے نکل کر اس کے خلاف جدوجہد شروع کر دیتے ہیں اور ان کے دلوں میں غریبوں کو جائدادیں دے کر کوئی خوشی اور بشاشت پیدا نہیں ہوتی۔ ایک روسی سے جس وقت اس کی جائداد چھین لی جاتی ہے وہ ہنستا نہیں بلکہ روتا ہوا اپنے گھر جاتا ہے اور اپنے رشتہ داروں سے کہتا ہے کم بخت حکومت نے میری جائداد مجھ سے چھین لی لیکن اس نظامِ نَو میں ایک زمیندار جس کے پاس دس ایکڑ زمین ہوتی ہے وہ ایک یا دو یا تین ایکڑ زمین دے کر روتا نہیں بلکہ دوسرے ہی دن اپنے بھائی کے پاس جاتا ہے اور اسے کہتا ہے اے بھائی! مجھے مبارکباد دو کہ میں نے وصیت کی توفیق پائی اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جس کے دوسرے معنے یہ ہوتے ہیں کہ غریبوں کے لئے دو یا تین ایکڑ زمین مجھ سے چھین لی گئی ہے۔ مگر وہ روتا نہیں، وہ غم نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے بھائی جان! مجھے مبارکباد دو کہ میں نے وصیت کر دی اور کہتا ہے اللہ اب مجھے وہ دن بھی دکھائے کہ آپ بھی وصیت کر دیں اور میں آپ کو مبارکباد دینے کے قابل ہو جاؤں۔ جس وقت بیوی کو وہ یہ خبر سناتا ہے بیوی یہ نہیں کہتی کہ خدا تباہ کرے ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری جائداد لُوٹ لی بلکہ اس کے ہونٹ کانپنے لگ جاتے ہیں اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور وہ للچائی ہوئی نگاہوں سے ان نگاہوں سے جن سے وہ اپنے خاوند کے دل کو چھینا کرتی ہے اس کی طرف دیکھتی ہے اور کہتی ہے دیکھو جی! اللہ نے آپ کو یہ توفیق دی کہ آپ نے وصیت کر دی میرے پاس اپنی جائداد نہیں میں کس طرح وصیت کروں آپ اپنی جائداد میں سے کچھ مجھے دے دیں تو میں بھی اس نعمت میں شامل ہو جاؤں اور وہ اپنے نسوانی داؤ پیچ اور ان تیروں سے کام لے کر جو کہ خاوند بہت کم برداشت کر سکتے ہیں آخر اسے راضی کر ہی لیتی ہے اور وہ اسے اپنی جائداد میں سے کچھ حصہ دے دیتا ہے اس پر بیوی پھر اسی جائداد کی وصیت کرتی ہے اور کہتی ہے میں اس کے ۱/۱۰ یا ۱/۸ یا ۱/۶ حصہ کی وصیت کرتی ہوں گویا اس بچی ہوئی جائداد پر پھر ایمان ڈاکہ مارتا اور اس کا ایک اور حصہ قومی فنڈ میں منتقل ہو جاتا ہے اتنے میں بچہ گھر میں آتا ہے اور جب وہ سنتا ہے کہ اس کے باپ اور اس کی ماں نے وصیت کر دی ہے تو وہ دلگیر ہو کر بیٹھ

جاتا ہے اور اپنے باپ سے کہتا ہے ابا جی! اللہ آپ کو دیر تک ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ میرے پاس تو کچھ نہیں میں کس طرح اللہ سے یہ ارزاں سَودا کروں اگر مجھے کچھ دے دو تو میں بھی اللہ میاں سے اپنے لئے جنت کا سَودا کر لوں۔ اگر اس کے باپ کو اس سے زیادہ محبت ہوتی ہے تو وہ یہ خیال کر کے کہ آخر میری جائداد نے اسی کے پاس جانا ہے اسی وقت اپنی جائداد کا ایک حصہ اسے دے دیتا ہے اور وہ وصیت کر کے اپنے رب سے جنت کا سَودا کر لیتا ہے۔ اس طرح بقیہ جائداد کا پھر ایک اور حصہ قومی فنڈ میں آ جمع ہوتا ہے اور اگر اس کا باپ نسبتاً سخت ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں مانتا کہ اپنی زندگی میں لڑکے کو جائداد دے دے تو نیک بخت لڑکا اس جائداد کا جو ابھی اسے نہیں ملی سَودا کر دیتا ہے اور وصیت کر دیتا ہے کہ گو ابھی میرے پاس کوئی جائداد نہیں مگر میں وصیت کرتا ہوں کہ اِس وقت جو میری آمدن ہے اس کا دسواں حصہ وصیت میں ادا کرتا رہوں گا اور اگر آئندہ میری کوئی جائداد ہوئی تو اس کا دسواں حصہ بھی ادا کروں گا جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہوتے ہیں کہ جب ابا جان فوت ہو جائیں گے اور ان کی جائداد میرے قبضہ میں آ جائے گی تو جو حصہ مجھے باپ کی وصیت کے بعد بچی ہوئی جائداد میں سے ملے گا اس کے دسویں حصہ کا ابھی سے وعدہ کرتا ہوں۔ اس طرح بقیہ جائداد کا پھر ۱/۱۰ قومی فنڈ میں آ جاتا ہے۔

پھر دیکھو دُنیوی نظام کے ماتحت تو جن لوگوں پر ٹیکس لگتا ہے وہ ناخوش ہوتے ہیں اور جن پر نہیں لگتا وہ خوش ہوتے ہیں۔ امیر ناراض ہوتے ہیں کہ ہم پر کیوں ٹیکس لگایا گیا اور غرباء خوش ہوتے ہیں کہ امراء کا مال ہمیں ملا لیکن وصیت کے قاعدہ کے ماتحت کیا ہوتا ہے؟ وصیت کو غور سے پڑھ کر دیکھ لو وصیت کی ابتداء جائداد پر رکھی گئی تھی مگر چونکہ مال جبراً نہیں چھینا جاتا بلکہ اس کے بدلہ میں جنت کی سی نعمت پیش کی جاتی ہے اس لئے وہ لوگ جن کے لئے مال لیا گیا تھا انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ امراء جن کی جائدادیں لی گئی ہیں خوب لوٹے گئے بلکہ وہ رنجیدہ ہوئے کہ اس نیک سَودے سے ہمیں کیوں محروم کیا گیا ہے اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی راستہ نکالا جائے اور خداتعالیٰ کی اجازت سے آپ نے انہیں اپنی آمدنیوں کی وصیت کرنے کی اجازت دے دی۔ گویا وہ طریق جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جاری کیا ہے اس کی ابتداء جائدادوں سے ہوئی مگر پھر ان لوگوں کے اصرار پر جن کی جائدادیں نہیں تھیں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آپ نے

آمدنیوں کی وصیت کی بھی اجازت دے دی اور اس طرح جائداد اور آمد دونوں کے مقررہ حصے قومی فنڈ میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔

نظامِ نَو کی بنیاد ۱۹۰۵ء میں قادیان میں رکھی گئی

غرض نظامِ نَو کی بنیاد ۱۹۱۰ء میں روس میں نہیں رکھی گئی نہ وہ آئندہ کسی سال میں موجودہ جنگ کے بعد یورپ میں رکھی جائے گی بلکہ دنیا کو آرام دینے والے ہر فردِ بشر کی زندگی کو آسودہ بنانے والے اور ساتھ ہی دین کی حفاظت کرنے والے نظامِ نَو کی بنیاد ۱۹۰۵ء میں قادیان میں رکھی جا چکی ہے اب دنیا کو کسی نظامِ نَو کی ضرورت نہیں ہے اب نظامِ نَو کا شور مچانا ایسا ہی ہے جیسے کہتے ہیں۔

گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

جو کام ہونا تھا وہ ہو چکا اب یورپ کے مدبّر صرف لکیریں پیٹ رہے ہیں۔ اسلام اور احمدیت کا نظامِ نَو وہ ہے جس کی بنیاد جبر پر نہیں بلکہ محبت اور پیار پر ہے۔ اس میں انسانی حریّت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، اس میں افراد کی دماغی ترقی کو بھی مدّنظر رکھا گیا ہے اور اس میں انفرادیّت اور عائلیّت جیسے لطیف جذبات کو بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

وصیّتی اَموال کے خرچ کرنے کے مختلف مواقع

میں بتا چکا ہوں کہ وصیت کے متعلق یہ خیال کرنا غلط ہے کہ اس کا روپیہ صرف تبلیغِ اسلام پر خرچ کیا جا سکتا ہے ''الوصیۃ'' کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ اس روپیہ سے اور کئی مقاصد کو بھی پورا کیا جائے گا کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ہر ایک امر جو مصالح اشاعتِ اسلام میں داخل ہے جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے وہ تمام امور اِن اموال سے انجام پذیر ہونگے یعنی آئندہ زمانہ میں اشاعتِ اسلام کی ایسی مصلحتیں ظاہر ہوں گی یعنی اسلام کو عملی جامہ پہنا کر اس کی خوبیوں کے اظہار کے مواقع ایسے نکلیں گے کہ ان پر وصیت کے روپیہ کو خرچ کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہو گا۔ پھر ''یتیموں اور مسکینوں'' کے الفاظ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استعمال فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ اس روپیہ پر محتاجوں کا حق ہے۔ پس درحقیقت ان الفاظ میں اسی نظام کی طرف اشارہ ہے جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے کہ ہر فرد بشر کے لئے کھانا مہیا کیا جائے، ہر فرد بشر کے لئے کپڑا مہیا کیا جائے، ہر فرد بشر کے لئے مکان مہیا کیا جائے، ہر فرد بشر کے لئے تعلیم اور

علاج کا سامان مہیا کیا جائے اور یہ کام ٹیکسوں سے نہیں ہو سکتا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جائدادیں لی جائیں اور اس ضرورت پر خرچ کی جائیں۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ ’’کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا‘‘ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے کہ تم ایسے دعوے کرو اور اس قسم کی موہوم امیدوں کو جامۂ عمل پہنا سکو مگر یہ شُبہ بھی درست نہیں اس لئے کہ جب ہم یہ بات پیش کرتے ہیں تو اس لئے پیش کرتے ہیں کہ ہم اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ ہماری جماعت کا دنیا کے تمام ممالک میں پھیل جانا مقدّر ہے۔ پس جبکہ ہم خدا تعالیٰ کے الہامات اور اس کے وعدوں کے مطابق یہ یقین رکھتے ہیں کہ آج سے پچاس یا ساٹھ یا سو سال کے بعد بہرحال دنیا پر احمدیت کا غلبہ ہو جائے گا تو ہمیں اس بات پر بھی کامل یقین ہے کہ یہ نظام جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمایا ہے ایک دن قائم ہو کر رہے گا۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں۔

یقینی طور پر وصیّت کے ذریعہ پیش کردہ نظام کا قیام

بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ نظام نہ معلوم کب قائم ہوگا جماعت کی ترقی تو نہایت آہستہ آہستہ ہو رہی ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جاتی جو عمارت بے بنیاد ہو وہ بہت جلد گر جاتی ہے یہ جلد بنائے جانے والے نظام جلد گر جائیں گے نظام وہی قائم ہوگا جو ہر کس و ناکس کی دلی خوشنودی کے ساتھ قائم کیا جائے گا۔ گھاس آج نکلتا اور کل سوکھ جاتا ہے لیکن پھل دار درخت دیر میں تیار ہوتا اور پھر صدیوں کھڑا رہتا ہے۔ پس آئندہ جوں جوں ہماری جماعت بڑھتی چلی جائے گی وصیت کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے دنیا میں جس نظام کو قائم کیا ہے وہ بھی بڑھتا چلا جائے گا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی اصول کو مدّنظر رکھتے ہوئے اپنی کتاب الوصیۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

’’یہ مت خیال کرو کہ یہ صرف دور از قیاس باتیں ہیں بلکہ یہ اس قادر کا ارادہ ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ مجھے اس بات کا غم نہیں کہ یہ اموال جمع کیونکر ہوں گے اور ایسی جماعت کیونکر پیدا ہوگی جو ایمانداری کے جوش سے یہ مردانہ کام دکھلائے بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعد وہ لوگ جن کے سپرد ایسے مال کئے جائیں وہ کثرتِ مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھاویں اور دنیا سے پیار

نہ کریں۔ سومَیں دعا کرتا ہوں کہ ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں ہاں جائز ہوگا کہ جن کا کچھ گزارہ نہ ہو ان کو بطور مدد خرچ اس میں سے دیا جائے'' ۳۷؎ ۔

وصیّت کے ذریعہ جمع ہونے والے روپیہ کی حیرت انگیز بُہتات

یعنی مجھے اس بات کا خیال نہیں کہ وصیت کے نتیجہ میں اتنے روپے کہاں سے آئیں گے بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں لوگ کثرتِ مال کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھا جائیں۔ گویا تم تو یہ کہتے ہو کہ ساری دنیا کے غریبوں کا انتظام کس طرح کرو گے اور وہ مال کہاں سے آئے گا جس سے ان کی ضروریات پوری کی جائیں گی مگر مجھے اس بات کا کوئی فکر نہیں کہ یہ مال کہاں سے آئے گا یہ مال آئے گا اور ضرور آئے گا مجھے تو فکر یہ ہے کہ کہیں کثرتِ مال کو دیکھ کر دنیا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی نہ رہ جائیں اور وہ لوگ جن کے سپرد یہ اموال ہوں وہ دنیا سے پیار نہ کرنے لگ جائیں اور لالچ کی وجہ سے ان مدّات میں روپیہ خرچ نہ کریں جن مدّات کے لئے یہ روپیہ اکٹھا کیا جائے گا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سوال خود ہی اٹھایا ہے اور پھر خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ اتنے خزانے کہاں سے آئیں گے۔ آئیں گے اور ضرور آئیں گے مجھے اگر ڈر ہے تو یہ کہ کہیں کثرتِ مال کو دیکھ کر لوگ دنیا سے پیار نہ کرنے لگ جائیں کیونکہ روپیہ اکٹھا ہوگا اور اتنا اربوں ارب اور اربوں ارب اکٹھا ہوگا کہ اتنا مال نہ امریکہ نے کبھی دیکھا ہوگا نہ روس نے کبھی دیکھا ہوگا، نہ انگلستان نے کبھی دیکھا ہوگا نہ جرمنی، اٹلی اور جاپان نے کبھی دیکھا ہوگا بلکہ ساری حکومتوں نے مل کر بھی اتنا روپیہ کبھی جمع نہیں کیا ہوگا جتنا روپیہ اِس ذریعہ سے اکٹھا ہوگا، پس چونکہ اِس ذریعہ سے اِس قدر دولت اکٹھی ہوگی کہ اِس قدر دولت دُنیا کی آنکھ نے اِس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی اِس لئے مَیں ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگوں کے دِلوں میں بدّ دیانتی پیدا نہ ہو جائے۔ پس تم اِس بات کا فکر نہ کرو کہ یہ نظام کِس طرح قائم ہوگا تم یہ فکر کرو کہ اس کو صحیح استعمال کرنے کا اپنے آپ کو اہل بناؤ۔ دُنیا کی جائدادیں تمہارے ہاتھ میں ضرور آئیں گی مگر تم کو اپنے نفوس کی ایسی اِصلاح کرنی چاہیئے کہ وہ جائدادیں تمہارے ہاتھ سے دنیا کے فائدہ کے لئے صحیح طور پر خرچ کی جائیں۔

خواجہ کمال الدین صاحب پر الوصیّۃ میں بیان کردہ نئے نظام کا اثر

مَیں اِس موقع پر ایک دشمن کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس دن حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے وصیّت لکھی اور اُس کا مسودہ باہر بھیجا تو خواجہ کمال الدین صاحب اس کو پڑھنے لگ گئے جب وہ پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچے تو وہ بے خود ہو گئے۔ ان کی نگاہ نے اس کے حُسن کو ایک حد تک سمجھا وہ پڑھتے جاتے اور اپنی رانوں پر ہاتھ مار مار کر کہتے جاتے کہ ''واہ اوے مرزیا احمدیت دیاں جڑاں لگا دتیاں ہیں'' یعنی واہ واہ مرزا تو نے احمدیت کی جڑوں کو مضبوط کر دیا ہے۔ خواجہ صاحب کی نظر نے بے شک اس کے حسن کو ایک حد تک سمجھا مگر پورا پھر بھی نہیں سمجھا درحقیقت اگر وصیّت کو غور سے پڑھا جائے تو یوں کہنا پڑتا ہے کہ واہ او مرزا تو نے اسلام کی جڑیں مضبوط کر دیں، واہ او مرزا تو نے انسانیت کی جڑیں ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی عَبْدِکَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

نظامِ نَو کا ایک چھوٹا سا نقشہ تحریکِ جدید کی صورت میں

مگر جیسا کہ مَیں بتا آیا ہوں یہ کام وقت چاہتا ہے اور اس دن کا محتاج ہے جب سب دُنیا میں احمدیت کی کثرت ہو جائے ابھی موجودہ آمد مرکز کو بھی صحیح طور پر چلانے کے قابل نہیں اِس لئے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں تحریکِ جدید کا القاء فرمایا تا کہ اس ذریعہ سے ابھی سے ایک مرکزی فنڈ قائم کیا جائے اور ایک مرکزی جائداد پیدا کی جائے جس کے ذریعہ تبلیغِ احمدیت کو وسیع کیا جائے۔ پس تحریک جدید کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کے سامنے عقیدت کی یہ نیاز پیش کرنے کے لئے ہے کہ وصیت کے ذریعہ تو جس نظام کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اس کے آنے میں ابھی دیر ہے اس لئے ہم تیرے حضور اس نظام کا ایک چھوٹا سا نقشہ تحریک جدید کے ذریعہ پیش کرتے ہیں تا کہ اس وقت تک کہ وصیت کا نظام مضبوط ہو اس ذریعہ سے جو مرکزی جائداد پیدا ہو اس سے تبلیغِ احمدیت کو وسیع کیا جائے اور تبلیغ سے وصیت کو وسیع کیا جائے۔

نظامِ نَو کے قریب تر لانے کا ذریعہ

پس جوں جوں تبلیغ ہو گی اور لوگ احمدی ہوں گے وصیت کا نظام وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا

اور کثرت سے اموال جمع ہونے شروع ہو جائیں گے۔قاعدہ ہے کہ شروع میں ریل آہستہ آہستہ چلتی ہے مگر پھر بہت ہی تیز ہو جاتی ہے اسی طرح اگر خود دوڑ نے لگو تو شروع کی رفتار اور بعد کی رفتار میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ پس وصیت کے ذریعہ اس وقت جو اموال جمع ہو رہے ہیں ان کی رفتار بے شک تیز نہیں مگر جب کثرت سے احمدیت پھیل گئی اور جوق در جوق لوگ ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے اس وقت اموال خاص طور پر جمع ہونے شروع ہو جائیں گے اور قدرتی طور پر جائدادوں کا ایک جتّھا دوسری جائدادوں کو کھینچنا شروع کر دے گا اور جوں جوں وصیت وسیع ہوگی نظامِ نَو کا دن اِنْشَاءَ اللّٰہُ قریب سے قریب تر آ جائے گا۔

تحریک جدید نظامِ نَو کے لئے بطور ارہاص کے ہے

غرض تحریک جدید گو وصیت کے بعد آئی ہے مگر اس کے لئے پیشرو کی حیثیت میں ہے گویا وہ نظام اس کے مسیح کے لئے ایک ایلیاہ نبی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے ظہور مسیح موعود کے غلبہ والے ظہور کے لئے بطور ارہاص کے ہے ہر شخص جو تحریک جدید میں حصہ لیتا ہے وصیت کے نظام کو وسیع کرنے میں مدد دیتا ہے اور ہر شخص جو نظامِ وصیت کو وسیع کرتا ہے وہ نظامِ نَو کی تعمیر میں مدد دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے وصیت حاوی ہے اس تمام نظام پر جو اسلام نے قائم کیا ہے۔بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ وصیت کا مال صرف لفظی اشاعتِ اسلام کے لئے ہے مگر یہ بات درست نہیں وصیت لفظی اشاعت اور عملی اشاعت دونوں کے لئے ہے جس طرح اس میں تبلیغ شامل ہے اسی طرح اس میں اس نئے نظام کی تکمیل بھی شامل ہے جس کے ماتحت ہر فرد بشر کی باعزت روزی کا سامان مہیا کیا جائے۔ جب وصیت کا نظام مکمل ہوگا تو صرف تبلیغ ہی اس سے نہ ہوگی بلکہ اسلام کے منشاء کے ماتحت ہر فرد بشر کی ضرورت کو اس سے پورا کیا جائے گا اور دُکھ اور تنگی کو دنیا سے مٹا دیا جائے گا اِنْشَاءَ اللّٰہُ یتیم بھیک نہ مانگے گا، بیوہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے گی، بے سامان پریشان نہ پھرے گا کیونکہ وصیت بچوں کی ماں ہوگی، جوانوں کی باپ ہوگی،عورتوں کا سہاگ ہوگی، اور جبر کے بغیر محبت اور دلی خوشی کے ساتھ بھائی بھائی کی اس کے ذریعہ سے مدد کرے گا اور اس کا دینا بے بدلہ نہ ہوگا بلکہ ہر دینے والا خدا تعالیٰ سے بہتر بدلہ پائے گا۔ نہ امیر گھاٹے میں رہے گا نہ غریب، نہ قوم قوم سے لڑے گی بلکہ اس کا احسان سب دنیا پر وسیع ہوگا۔

پس اے دوستو! دنیا کا نیا نظام نہ مسٹر چرچل [۳۸] بنا سکتے ہیں نہ مسٹر روز ویلٹ [۳۹] بنا سکتے ہیں۔ یہ اٹلانٹک چارٹر کے دعوے سب ڈھکوسلے ہیں اور اس میں کئی نقائص، کئی عیوب اور کئی خامیاں ہیں نئے نظام وہی لاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث کئے جاتے ہیں جن کے دلوں میں نہ امیر کی دشمنی ہوتی ہے نہ غریب کی بے جا محبت ہوتی ہے، جو نہ مشرقی ہوتے ہیں نہ مغربی، وہ خدا تعالیٰ کے پیغامبر ہوتے ہیں اور وہی تعلیم پیش کرتے ہیں جو امن قائم کرنے کا حقیقی ذریعہ ہوتی ہے پس آج وہی تعلیم امن قائم کرے گی جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ آئی ہے اور جس کی بنیاد الوصیة کے ذریعہ ۱۹۰۵ء میں رکھ دی گئی ہے۔

جماعت کے تمام دوستوں کو ایک نصیحت

پس تمام دوستوں کو اس کی اہمیت سمجھنی چاہئے اور ان دلائل کو اچھی طرح یاد رکھ لینا چاہئے جو مَیں نے پیش کئے ہیں کیونکہ قریباً ہر جگہ ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو بالشوزم کے مدّاح ہوتے ہیں اسی لئے میں نے بالشوزم کی تحریک کی خوبیاں بھی بتا دی ہیں اور اس کی خامیاں بھی بتا دی ہیں اسی طرح دوسری تحریکات کی خوبیاں اور ان کی خامیاں بھی بتا دی ہیں پس ان پر غور کرو اور تعلیم یافتہ طبقہ سے ان کو ملحوظ رکھ کر گفتگو کرو۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ دلائل ایسے ہیں جن کا کوئی جواب ان تحریکات کے مؤیّدین کے پاس نہیں دنیا میں اگر امن قائم ہوسکتا ہے تو اسی ذریعہ سے جس کو آج میں نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح آج سے اٹھارہ سال پہلے ۱۹۲۴ء میں امنِ عامہ کے قیام کے متعلق خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ کتاب ''احمدیت'' [۴۰] میں ایک ایسا عظیم الشان انکشاف کیا کہ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ایسا عظیم الشان اظہار گزشتہ تیرہ سَو سال میں پہلے مفسّرین میں سے کسی نے نہیں کیا اور یقیناً وہ ایسی تعلیم ہے کہ گو اس قسم کا دعویٰ کرنا میری عادت کے خلاف ہے مگر میں یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اس قسم کا انکشاف سوائے نبیوں اور ان کے خلیفوں کے آج تک کبھی کسی نے نہیں کیا اگر کیا ہو تو لاؤ مجھے اس کی نظیر دکھاؤ۔

وصیّت کرنے والا نظامِ نَو کی بنیاد رکھنے میں حِصّہ دار

پس اے دوستو! جنہوں نے وصیّت کی ہوئی ہے سمجھ لو کہ آپ لوگوں میں سے جس جس نے اپنی اپنی جگہ وصیّت کی ہے اس نے نظامِ نَو کی بنیاد رکھ دی ہے اُس نظامِ نَو کی جو اس کی اور اس کے خاندان کی حفاظت کا بنیادی پتھر ہے اور جس جس

نے تحریکِ جدید میں حصّہ لیا ہے اور اگر وہ اپنی ناداری کی وجہ سے اس میں حصّہ نہیں لے سکا تو وہ اس تحریک کی کامیابی کے لئے مسلسل دعائیں کرتا ہے اس نے وصیّت کے نظام کو وسیع کرنے کی بنیاد رکھ دی ہے۔ پس اے دوستو! دُنیا کا نیا نظام دین کو مٹا کر بنایا جا رہا ہے تم تحریک جدید اور وصیّت کے ذریعہ سے اس سے بہتر نظام دین کو قائم رکھتے ہوئے تیار کرو مگر جلدی کرو کہ دوڑ میں جو آگے نکل جائے وہی جیتتا ہے۔

جلد سے جلد وصیّتیں کرنے کی ضرورت

پس تم جلد سے جلد وصیّتیں کرو تا کہ جلد سے جلد نظامِ نَو کی تعمیر ہو اور وہ مبارک دن آ جائے جب کہ چاروں طرف اسلام اور احمدیت کا جھنڈا لہرانے لگے اس کے ساتھ ہی میں ان سب دوستوں کو مبارکباد دیتا ہوں جنہیں وصیّت کرنے کی توفیق حاصل ہوئی اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جو ابھی تک اس نظام میں شامل نہیں ہوئے توفیق دے کہ وہ بھی اس میں حصّہ لے کر دینی ودُنیوی برکات سے مالا مال ہوسکیں اور دنیا اس نظام سے ایسے رنگ میں فائدہ اُٹھائے کہ آخر اسے یہ تسلیم کرنا پڑے کہ قادیان کی وہ بستی جسے کوردِہ کہا جاتا تھا، جسے جہالت کی بستی کہا جاتا تھا اس میں سے وہ نور نکلا جس نے ساری دنیا کی تاریکیوں کو دور کر دیا جس نے ساری دنیا کی جہالت کو دُور کر دیا، جس نے ساری دنیا کے دُکھوں اور دَردوں کو دُور کر دیا اور جس نے ہر امیر اور غریب کو، ہر چھوٹے اور بڑے کو محبت اور پیار اور اُلفتِ باہمی سے رہنے کی توفیق عطا فرما دی۔

(مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

---

۱ گُتّھا: ایک قسم کا روئی دار اور ملائم بچھونا

۲ کارل مارکس: جرمن مفکر اور کمیونزم کا بانی۔ ۱۸۱۸ء کو پیدا ہؤا۔ ۱۸۸۳ء کو وفات پائی۔ پ ٹریوز (TREVES) یہودی قانون دان کا بیٹا تھا۔ بون اور برلن میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۴۴ء میں اس نے اینجلس کے ساتھ طویل اشتراک کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے ساتھ مل کر اس نے مارکسی فلسفہ کو ۱۸۴۴ء میں ایک مشترکہ کتاب بنام مقدس خاندان (The Holy Family) لکھ کر ترقی دی۔ پھر کمیونسٹ منشور مرتب کیا۔

(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۳۷۷ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۳ سائیس: ملازم جو گھوڑے کی خدمت کے لئے رکھا جائے۔

۴؎ **لینن ولیڈمر، الیچ:** Lenin-Vladimir Ilyich (۲۲؍اپریل ۱۸۷۰ء تا ۲۱؍جنوری ۱۹۲۴ء)۔ روسی سیاستدان۔ ۱۸۸۷ء میں ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کازان یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے داخلہ لیا لیکن جلد ہی طلباء کی انقلابی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لینے کی بناء پر گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۸۸۸ء میں رہائی ملی۔ ۱۸۹۷ء میں اسے جلاوطن کیا گیا۔ جلاوطنی کے دَوران ''روس میں سرمایہ داری کی نشوونما'' کتاب مکمل کی۔ ۱۹۱۴ء میں سوئٹزرلینڈ چلا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں مطلق العنان حکومت کو شکست ہوئی اور ۷؍نومبر ۱۹۱۷ء کو لینن کی صدارت میں روسی حکومت کے قیام کا اعلان ہوا۔

(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۔ صفحہ ۱۳۶۲، ۱۳۶۳ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۵؎ **لُوڈن ڈروف اریش** Ludendroff Erich (۱۸۶۵ء۔ ۱۹۳۷ء)۔ جرمن جرنیل۔ پہلی عالمی جنگ میں ہِنڈن برگ (Hindenburg) کے ماتحت کماندارِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اُن فتوحات کا بڑی حد تک ذمہ دار تھا جو اس کے بالا دست سے منسوب ہوئیں۔ میونخ میں ہٹلر کے بلوہ بیئر ہال (۱۹۲۳ء) میں اپنی دوسری بیوی کے اشتراک سے اس نے آریائی مَسلک کی بنیاد رکھی۔ (اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۴ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۶؎ **سٹالن:** روسی کمیونسٹ آمر۔ اس کا اصل نام زوگشوبلی تھا۔ انقلابی تحریک میں شامل ہونے کے بعد اِس نے سٹالن (مردِ آہن) کا لقب اختیار کیا۔ پادری بننے کے لئے تعلیم حاصل کی مگر مارکسی ہو گیا اِس لئے درس گاہ سے خارج کیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں مالوٹوف کو معزول کر کے وزارتِ عظمیٰ سنبھالی۔ روس پر ہٹلر کے حملہ کے بعد اس نے فوجی قیادت بھی سنبھال لی۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱ صفحہ ۷۳۹، مطبوعہ ۱۹۸۷ء لاہور)

۷؎ **مولوٹوف میخائنووچ:** Molotov Mikhailovich (۱۸۹۰ء۔ ۱۹۸۶ء) روسی سیاستدان۔ ۱۹۰۶ء میں بالشویک پارٹی میں شمولیت کی۔ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۴۱ء روسی پارلیمنٹ کے رُکن رہے۔ ۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۹ء روسی وزیرِ خارجہ، ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۷ء روس کے وزیرِ اعظم رہے، ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۷ء کچھ مدت کے لئے وزیرِ مملکت بھی رہے۔

(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۶۴۶ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۸؎ الانعام: ۱۲

۹؎ استثناء باب ۲۳ آیت ۱۹، احبار باب ۲۵ آیت ۳۵ تا ۳۷۔

۱۰، ۱۱؎ استثناء باب ۱۵ آیت ۱۲

۱۲؎ استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ تا ۱۷ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ ۱۸۷۰ء مرزاپور۔

۱۳؎ گلتیوں باب ۳ آیت ۱۰ تا ۱۳

۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸ الانفال: ۶۸ ۱۹ الحج: ۴۰ تا ۴۲ ۲۰ محمد: ۵
۲۱ مسلم کتاب الایمان باب صحبة المماليک
۲۳ النور: ۳۳ ۲۴ النور: ۳۴
۲۵ **محوری:** دوسری جنگِ عظیم میں نازی جرمنی اور فسطائی۔اٹلی کے اتحاد کا نام (Axis Powers)
۲۶ البقرة: ۳۰ ۲۷ الحجر: ۸۹
۲۸ الحجرٰت: ۱۰
۲۹ احمدیت یعنی حقیقی اسلام صفحہ ۲۳۱ مطبوعہ ۱۹۷۷ء
۳۰ احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۲۳۲، ۲۳۳ مطبوعہ ۱۹۷۷ء
۳۱ البقرة: ۴
۳۲ **ہٹلر:** Adolf Hitler (۱۸۸۹ء۔۱۹۴۵ء) جرمنی کا آمر مطلق۔ نازی پارٹی کا بانی، پہلی عالمی جنگ کے بعد چند شورش پسندوں سے مل کر میونخ میں نازی مزدور پارٹی کی بنیاد رکھی۔۱۹۳۳ء میں اسے آمریت کے اختیارات سونپ دیئے گئے۔ہٹلر جرمنی کے تمام شعبوں کا مختار بن گیا۔نازی پارٹی کے مخالفین کو کُچل دیا گیا۔ اِس کی پالیسیاں بالآخر دوسری عالمی جنگ پر منتج ہوئیں۔۱۹۴۱ء میں روس کے محاذ پر ہٹلر نے جنگ کی خود کمان کی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۶ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۳۳ **گوئرنگ:** Goering (۱۸۹۳ء۔۱۹۴۶ء) جرمنی کا نازی لیڈر، پہلی عالمی جنگ میں فضائی فوج کا ہیرو، شروع میں ہی نازیوں کے ساتھ مل گیا۔۱۹۳۳ء میں جرمنی کا وزیر محکمہ پرواز اور پروشیا (Prussia) کا وزیر اعظم۔خفیہ پولیس کی بنیاد اِسی نے رکھی جس کا ۱۹۳۶ء تک سربراہ رہا۔ جرمنی کا معاشی نظام آمرانہ اختیارات سے چلایا۔ہٹلر نے اسے اپنا جانشین نامزد کیا۔دوسری عالمی جنگ میں ہمہ گیر فضائی جنگ کا ذمہ دار تھا۔ ۱۹۴۵ء میں امریکی فوج کے آگے ہتھیار ڈالے۔جنگی جرائم میں سب سے بڑا ملزم ثابت ہونے پر سزائے موت پائی مگر پھانسی سے قبل خودکشی کر لی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۲۹۴ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۳۴ **بونا پارٹ:** نپولین اول کا خاندانی نام۔ نپولین کے خاندان کے متعدد معروف افراد کے ناموں کے ساتھ بونا پارٹ کا لفظ لکھا ہے گویا یہ نپولین کے خاندان کا ٹائٹل ہے۔(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۲۷۲ مطبوعہ ۱۹۸۷ء لاہور)

۳۵ البقرۃ:۱۹۶

۳۶ **مسولینی بینٹو:**(Mussolni-Benito) (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۵ء) اطالوی آمر۔ یہ ایک لوہار کا بیٹا تھا۔ ابتدائی دنوں میں اُستاد اور صحافی کا کام کیا۔ سوشلسٹ کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دَوران اطالیہ کی جنگ میں مداخلت کی۔ وکالت کی پاداش میں ۱۹۱۴ء میں سوشلسٹ تحریک سے نکال دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں اپنی جماعت بنائی۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں شاہِ اٹلی اور فوج نے اسے وزیر اعظم کے عُہدے پر نامزد کیا۔ ۱۹۲۵ء میں اس نے آمرانہ اختیارات سنبھال لئے۔ ۱۹۲۶ء میں تمام مخالف جماعتوں کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔ ۱۹۳۵ء میں ایتھوپیا پر قبضہ کیا۔ ۱۹۳۹ء میں البانیہ پر قبضہ کیا۔ اس حکمت عملی کے باعث وہ نازیوں کے بڑا قریب ہوگیا۔ جون ۱۹۴۰ء میں جنگِ عظیم دوم میں شامل ہوا۔ اتحادیوں نے سسلی پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا جس کے نتیجہ میں اِس کی ساکھ ختم ہوگئی۔ جولائی ۱۹۴۳ء میں فسطائیوں کی گرینڈ کونسل نے اِسے استعفیٰ پر مجبور کیا پھر گرفتار کرلیا گیا۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۳ء کو جرمن ہوائی جہاز اسے رہا کرا کر جرمنی لے گئے۔ لیکن پھر اس نے شمالی اٹلی میں جمہوریہ فسطائیہ کے نام سے متوازی حکومت بنالی۔ اپریل ۱۹۴۵ء میں اسے اپنی داشتہ کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ دونوں کو گولی مار دی گئی۔ اس کی لاش میلان لے جائی گئی جہاں اسے سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۵۶۵ مطبوعہ ۱۹۸۸ء لاہور)

۳۷ الوصیت صفحہ ۲۱ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۱۹۔

۳۸ **مسٹر چرچل:** Sir Winston-Leonard-Spencer،Churchill (۳۰ نومبر ۱۸۷۴ء ۔ ۲۴ جنوری ۱۹۶۵ء) برطانوی سیاستدان۔ سپاہی، مصنف۔ ہندوستان، سوڈان، جنوبی افریقہ کے معرکوں میں شریک رہا۔ ۱۹۰۰ء میں پارلیمنٹ کا رُکن بنا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء تک وزیر اعظم رہا۔ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۵ء دوبارہ وزیر اعظم رہا۔ متعدد کتابیں لکھیں۔ ۱۹۵۳ء میں ادبی نوبل پرائز حاصل کیا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۵۱۴ مطبوعہ ۱۹۸۷ء لاہور)

۳۹ **روزویلٹ:** Theodorer Roosevelt (۱۸۵۸ء۔۱۹۱۹ء) نیویارک کا گورنر، ۱۹۰۱ء

میں امریکہ کا نائب صدر، ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۹ء تک صدر میکنلی کی موت پر امریکہ کا صدر بنا۔ تاریخ، شکار، جنگلی جانوروں اور سیاسیات کے متعلق کتب لکھیں۔ ۱۹۰۶ء میں امن کا نوبل پرائز حاصل کیا۔ (اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ا صفحہ ۶۷۹ مطبوعہ ۱۹۸۷ء لاہور)

۴۰؎ **''احمدیت'':** اِس سے مراد حضرت مصلح موعود کی کتاب۔ ''احمدیت یعنی حقیقی اسلام'' ہے۔ حضرت مصلح موعود نے یہ کتاب ویمبلے کانفرنس کے لئے تحریر فرمائی۔ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے حضرت مصلح موعود کی موجودگی میں اس کتاب کا خلاصہ کانفرنس میں پیش کیا۔